وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا

بیاد: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

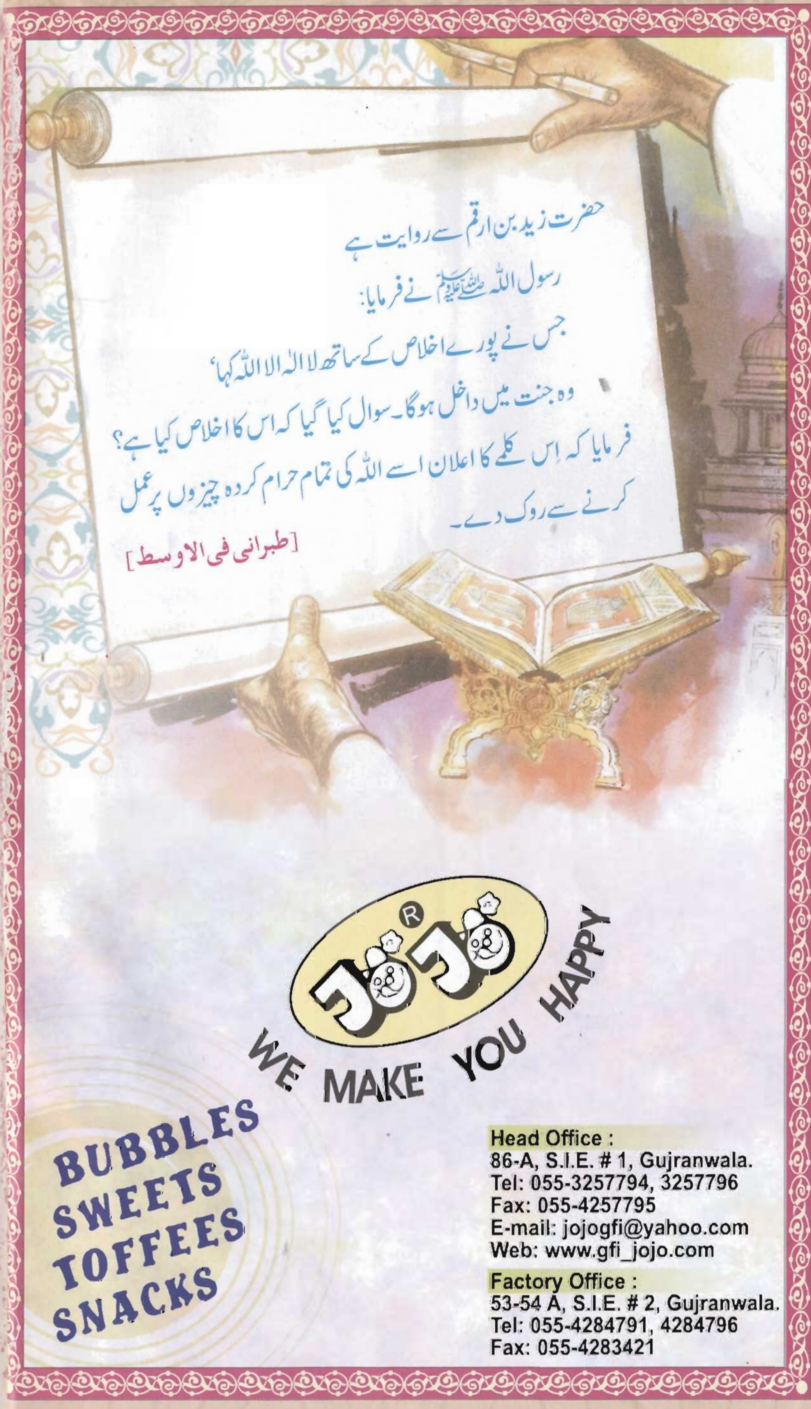
دسمبر ۲۰۱۱ء

ماہنامہ

عالمی ترجمان القرآن

مدیر: پروفیسر خورشید احمد

الابلاغ ٹرسٹ



حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس نے پورے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہا،
وہ جنت میں داخل ہوگا۔ سوال کیا گیا کہ اس کا اخلاص کیا ہے؟
فرمایا کہ اِس کلمے کا اعلان اسے اللہ کی تمام حرام کردہ چیزوں پر عمل
کرنے سے روک دے۔
[طبرانی فی الاوسط]
JoJo
WE MAKE YOU HAPPY
BUBBLES
SWEETS
TOFFEES
SNACKS
Head Office :
86-A, S.I.E. # 1, Gujranwala.
Tel: 055-3257794, 3257796
Fax: 055-4257795
E-mail: jojogfi@yahoo.com
Web: www.gfi_jojo.com
Factory Office :
53-54 A, S.I.E. # 2, Gujranwala.
Tel: 055-4284791, 4284796
Fax: 055-4283421

ماہنامہ عالمی
ترجمان القرآن

جلد ۱، عدد ۸، محرم ۱۴۳۳ھ، دسمبر ۲۰۱۱ء

مدیر : پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر : مسلم سجاد

ادارتی امور: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور-۵۴۷۹۰ ۰۴۲-۳۵۴۲۵۳۵۶ ۳۵۴۳۲۱۹۴ tarjuman@wol.net.pk

انتظامی امور : ۶- صابر سٹریٹ، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور - ۵۴۶۰۰ ۳۷۵۰۲۰۴۸ - ۳۷۵۸۷۹۱۶ - ۰۴۲

۰۴۲-۳۷۵۸۵۵۹۰ موبائل: ۰۳۰۷-۴۱۱۲۷۰۰ tarjuman@tarjumanulquran.org www.tarjumanulquran.org

• قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے • زرسالانہ: ۳۰۰ روپے • ۵ سال کے لیے: ۱۲۰۰ روپے • معاون خصوصی: ۵۰۰۰ روپے

• بنگلہ دیش، بھارت ۱۲۰۰ روپے • ایران، مشرقِ وسطیٰ، مشرق بعید، یورپ، افریقہ ۱۵۰۰ روپے • امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا ۱۸۰۰ روپے

زیر اہتمام: الابلاغ ترسٹ

دوسرا کُل پاکستان اجتماعِ کراچی [نومبر ۱۹۵۱ء]

جماعت اسلامی پاکستان کا دوسرا کُل پاکستان اجتماعِ عام مرکزی مجلسِ شوریٰ کے فیصلے کے مطابق ۱۰ تا ۱۳ نومبر ۱۹۵۱ء بروز ہفتہ، اتوار، پیر، منگل، کُکری گراؤنڈ، کراچی میں منعقد ہوا۔ چونکہ انھی دنوں صوبۂ سرحد میں انتخابات عام کی جدوجہد ہو رہی تھی، اس لیے حلقۂ سرحد کے ارکانِ جماعت کو اس اجتماع میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ نیز مشرقی پاکستان کے ارکانِ جماعت کو شرکت کی پابندی سے اس بنا پر مستثنیٰ کر دینا پڑا تھا کہ وہاں سے آمدورفت کے مصارف اتنے زیادہ ہیں کہ ہر شخص ان کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ البتہ وہاں سے صرف حلقۂ مشرقی پاکستان کے قیم، مولانا عبدالرحیم صاحب تشریف لے آئے۔ ان دونوں علاقوں کو چھوڑ کر کراچی کے باہر سے تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں ارکان اور متفقین اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ ان سب کے قیام اور طعام کا انتظام جماعت کے زیرِاہتمام اجتماع گاہ ہی میں کیا گیا تھا اور اجتماع کے پورے ایام میں امیر جماعت سمیت تمام ارکان اور متفقین کا قیام مسلسل اجتماع کی قیام گاہ میں رہا۔

اجتماع کی کارروائی پروگرام کے مطابق ۱۰ نومبر مطابق ۹ صفر ۱۳۷۱ھ بروز ہفتہ بعد نمازِ مغرب ٹھیک چھے بجے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان کی افتتاحی تقریر سے شروع ہوئی۔ چار دن میں کھلے اور خاص، کُل سات اجلاس منعقد ہوئے اور یہ اجتماع ۱۳ نومبر بروز منگل امیر جماعت کی طرف سے وداعی ہدایات پر ساڑھے آٹھ بجے رات بخیروخوبی ختم ہوا۔ اجتماع کے عام اجلاسوں میں حاضری کم و بیش ۱۵ سے ۳۵ ہزار تک رہی اور خاص جماعتی کارروائیوں سے متعلّق اجلاسوں میں تین چار سے چھے سات ہزار تک۔ خواتین کی تعداد کا اندازہ آٹھ نو سو سے لے کر ڈیڑھ پونے دو ہزار تک ہے۔ اجتماع گاہ اور اس کے محلِ وقوع کے لحاظ سے تو یہ حاضری غیر متوقع حد تک زیادہ تھی۔ (’رودادِ اجتماع کراچی‘، میاں طفیل محمد، ترجمان القرآن، جلد ۳۷، عدد ۳-۴، ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ، دسمبر ۱۹۵۱ء، جنوری ۱۹۵۲ء، ص ۲-۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

بھارت ـــــــ اور پسندیدہ ترین ملک!

پروفیسر خورشید احمد

اقبال نے سچ کہا تھا کہ ؎

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

غلامی صرف سیاسی ہی نہیں، ذہنی، فکری اور تہذیبی بھی ہوتی ہے، جو بسا اوقات سیاسی غلامی سے بھی بدتر ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح مفادات کی اسیری بھی اسی طرح تباہ کن ہوتی ہے جس طرح سامراج کی سیاہ رات میں قومیں تباہی و بربادی سے دوچار ہوتی ہیں۔

بدقسمتی سے آج پاکستان پر ایک ایسی سیاسی قیادت مسلط ہے جو زندگی کے ہر میدان میں 'ناخوب' کو 'خوب' بنانے کے کارِ مذموم میں سرگرم ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال ۳ نومبر ۲۰۱۱ء کو مرکزی کابینہ کے ایک 'اصولی فیصلے' کے نام پر کیا جانے والا وہ شرم ناک اعلان ہے جس کے ذریعے پاکستان کی حکومت بھارت کو 'پسندیدہ ترین ملک' (Most Favoured Nation) قرار دے رہی ہے۔ یہ فیصلہ اتنی عجلت میں اور اس کا اعلان اتنے اچانک انداز میں کیا گیا ہے کہ پاکستانی تو پاکستانی، خود بھارت کی قیادت اور سفارت کار بھی ایک بار تو ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے اور پھر خوشی اور مسرت سے چلّا اُٹھے کہ انھیں کانوں پر اعتبار نہیں آرہا، بلکہ اسلام آباد میں بھارت کے ایک اعلیٰ سفارت کار نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ اعلان ایک خوش گوار دھماکے سے کم نہیں ـــــ یہ اور بات ہے کہ بھارت کی قیادت کے لیے یہ تحفہ ایک 'نعمتِ غیر مترقبہ' تھا تو پاکستانی قوم کے لیے ایک دل خراش سانحہ! ان کے دل و دماغ پر یہ اعلان بجلی بن کر گرا اور پاکستان کی ۶۴ سالہ قومی اتفاق پر مبنی پالیسی کو خاکستر کر گیا۔

حکومت کا یہ اعلان تحریکِ پاکستان کے مقاصد کی نفی، پاکستانی ریاست کے وجود کے لیے چیلنج، معیشت کے مستقبل کے لیے خطرہ اور قیامِ پاکستان کے لیے کی جانے والی برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی جدوجہد سے بے وفائی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسئلے کے تمام اہم پہلوؤں پر کھل کر اور دلیل سے بات کی جائے اور تمام محبّ وطن قوتوں کو منظّم اور متحرک کیا جائے تاکہ عظیم قربانیوں کے بعد حاصل کیا جانے والا یہ ملک، جو امریکی غلامی کے جال میں تو پھنسا ہوا ہے ہی، اب کسی نئی غلامی کے جال میں نہ پھنس جائے۔

پاکستان کے قیام کا مقصد صرف برطانوی اقتدار سے آزادی ہی نہ تھا بلکہ ہندو سامراج کی گرفت سے آزادی اور اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسی خودمختار مملکت کی تعمیر تھا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کے ساتھ عدل و انصاف کا نمونہ، اور اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی، ہر میدان میں خیر اور صلاح کی ضامن ہو۔ تقسیم ہند کا مقصد معیشت، سیاست اور تہذیب و تمدن کے دو مختلف بلکہ متضاد نمونوں (models) کو اپنے اپنے دائرے میں نئی دنیا کو تعمیر کرنے کا موقع فراہم کرنا تھا۔ اکھنڈ بھارت کے مذموم مقاصد کو ناکام بنانا تھا۔ آج کا بھارت ایک نئے روپ میں وہی کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہا ہے جو کانگریس کی قیادت میں برطانیہ کے آخری دور میں گاندھی جی، جواہرلعل نہرو اور ولبھ بھائی پٹیل نے ادا کیا تھا اور جسے قائداعظم کی قیادت میں برعظیم کے مسلمانوں کی آزادی کی تحریک نے ناکام بنا دیا تھا۔

علاقائی تعاون کے نام پر اصل ایجنڈا جنوبی ایشیا کے لیے ایک معاشی، تہذیبی اور بالآخر سیاسی اکھنڈ (Union) کا قیام ہے اور بھارت امریکا کی آشیرباد سے اس ایجنڈے پر عمل کے لیے سرگرم ہے۔ نیز کھلے اور درپردہ، اس منصوبے کو بروے کار لانے میں اسرائیل بڑا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ہمیں دکھ سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ زرداری صاحب نے اقتدار میں آنے کے فوراً بعد بھارت سے راہ و رسم بڑھانے اور نئی equation استوار کر کے تقسیم کی لکیر کو غیرمؤثر بنانے کے اشارے دیے تھے اور ستم بالاے ستم کہ مسئلہ کشمیر جو پاکستان اور اہلِ جموں و کشمیر کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، اس کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا کہ وہ مسئلہ کشمیر کو نئی نسلوں کے لیے چھوڑنے کے خواہش مند ہیں اور یہی پیغام الطاف حسین صاحب کا بھی تھا۔ پاکستان کی معیشت کو بھارت کی

مصنوعات، سرمایہ، تاجروں اور میڈیا کے لیے کھولنے کے اقدام اس منزل کی طرف مراجعت کے لیے زینے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بھارتی دانش ور صحافی جناب کلدیپ نائر تجارت کے اس مجوزہ دروبست میں بھارت کے اس خواب کے نقش ونگار کی جھلک دکھا کر مستقبل کی تصویر کی یوں منظرکشی کرتے ہیں:

> جنوبی ایشیا کے پورے علاقے میں آزادانہ تجارت میرا خواب ہے۔ ہم یورپ کی طرح ایک دن ایک معاشی یونین بنالیں گے۔ یہ فی الوقت بہت دُور دراز نظر آتا ہے، تاہم اگر تقریباً ۱۶ برس کے بعد انتہائی پسندیدہ قرار دینا (ایم ایف این) ایک حقیقت بن چکا ہے تو معاشی یونین کیوں نہیں بن سکتی؟ (دی ایکسپریس ٹریبون، ۱۴ نومبر ۲۰۱۱ء)

بھارت کو پسندیدہ ترین ملک قرار دینے کی کوششوں کو ان کے اصل تاریخی پس منظر اور علاقے کے لیے نئے بڑے کھیل (great game) کی روشنی میں دیکھنا اور سمجھنا ہوگا۔

بھارت ہمارا ہمسایہ ملک ہے اور جغرافیائی اور سیاسی حقائق کو نظرانداز کرنا ایک حماقت ہے۔ قائداعظم نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اعلان کیا تھا کہ پاکستان اور بھارت، دونوں کو ایک دوسرے کے جداگانہ نظام ہاے زندگی کو تسلیم کر کے دوستی اور تعاون کی نئی راہیں اختیار کرنی چاہییں لیکن اگر ہماری خودمختاری اور تہذیبی شناخت کو مجروح کرنے اور پرانا کھیل جاری رکھنے کی کوشش کی گئی تو پاکستانی قوم اسے ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کرے گی۔ بدقسمتی سے بھارت نے تقسیم ملک سے آج تک پاکستان کو آزاد، خودمختار اور برابری کی سطح پر معاملات کرنے والے ملک کی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا۔ کانگریس نے تقسیم ملک کے منصوبے کو جس قرارداد کے ذریعے منظور کیا تھا، اس میں دونوں ملکوں کے دوبارہ ایک ہوجانے کا شوشہ بھی چھوڑ دیا تھا۔ گویا ابتدا ہی میں بدنیتی ظاہر کردی گئی۔ کانگریس کی قیادت کا خیال تھا کہ وہ ایسے حالات پیدا کردے گی کہ پاکستان کو گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے اور دوبارہ اتحاد، الحاق، یا انضمام کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ فسادات اسی 'حکمت عملی' کا حصہ تھے۔ پاکستان کو تقسیم کے نتیجے میں ملنے والے تمام اثاثے آج تک ادا نہیں کیے گئے۔ ریڈکلف اوارڈ کے ذریعے ماؤنٹ بیٹن اور نہرو نے کشمیر پر قبضے کا راستہ تلاش کیا اور پاکستان کے ساتھ

ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کا آغاز کر دیا۔ جوناگڑھ اور مانا ودر پر قبضہ کیا اور ریاست حیدرآباد پر فوج کشی کے ذریعے قبضہ کیا۔ ۱۹۴۹ء میں جب پاکستان نے اپنی کرنسی کی قدر گھٹانے (devalue) سے انکار کیا تو پہلی معاشی جنگ کا آغاز ہوا۔ اس وقت پاکستان کی تجارت کا ۶۰ فی صد سے زیادہ بھارت کے ساتھ منسلک تھا، یعنی ہماری برآمدات کا ۶۵ فی صد بھارت کی منڈیوں میں جاتا تھا اور ہماری درآمدات کا ۳۵ فی صد بھارت سے آتا تھا، مگر بھارت نے تجارتی تعلقات کو فی الفور توڑ کر پاکستان کے لیے شدید بحرانی کیفیت پیدا کر دی اور ہمیں احساس ہوا کہ بھارت پر انحصار کرنے کے نتائج کتنے خطرناک ہو سکتے ہیں۔

الحمدللہ! پاکستان نے ان تمام کارروائیوں کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا اور ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں کے باوجود ۱۹۹۰ء کے عشرے تک پاکستان کی معیشت بھارت کی معیشت کے مقابلے میں زیادہ جان دار ثابت ہوئی۔ بھارت کی ہر پابندی ہمارے لیے نئے امکانات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور پاکستان کی معاشی ترقی کی رفتار کو بھارت کے اضافے کی رفتار کے مقابلے میں مثالی قرار دیا گیا۔ اس سے انکار نہیں کہ اس دور میں بھی معاشی پالیسیوں کی ان کامیابیوں کے علی الرغم معاشی انصاف اور متوازن معیشت کے اہداف حاصل نہ ہو سکے لیکن بحیثیت مجموعی بھارت کی نئی معاشی جنگ کا پاکستان نے بھرپور جواب دیا اور اپنی آزادی اور تشخص کی حفاظت کی۔ ۱۹۹۰ء کے بعد حالات نے نئی کروٹ لی۔ بھارت کی معاشی ترقی کی رفتار تیز تر ہوتی گئی اور پاکستان اپنی ہی غلطیوں کے سبب ایک معاشی بحران کے بعد دوسرے بحران کا شکار ہوتا چلا گیا۔ آج عالم یہ ہے کہ معاشی ترقی کے ہر اشاریے (index) کی رُو سے ہماری حالت دگرگوں ہے اور اس کا فائدہ اُٹھا کر بھارت ایک نیا معاشی وار کرنے میں مصروف ہے اور امریکا اور مغربی ممالک اس کی بھرپور تائید کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ایک لابی خود ملک میں 'امن کی آشا' کے نام پر علاقے میں بھارت کی بالادستی کے قیام اور پاکستانی معیشت کو بھارت کے زیر اثر لانے کی مذموم کوششوں میں مددگار ہے۔

عالمی سیاست کی جو بساط بچھائی جا رہی ہے اس میں امریکا، بھارت اور اسرائیل ایشیا کے مستقبل کی صورت گری کرنے کے لیے ایک مشترکہ منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔ بھارت کو علاقے کا چودھری بنانا اس کا اہم ترین حصہ ہے۔ پاکستان اور چین اس کی راہ میں اصل رکاوٹ ہیں اور

پاکستان نشانے پر ہے۔ سیاسی، عسکری، معاشی، ہر میدان میں اس کے گرد گھیرا تنگ کیا جارہا ہے۔ اندرونی عدم استحکام کے ساتھ پاکستان میں بھارت نواز قوتوں کو سہارا دینا، اور جنوب اور شمال ہر دو طرف سے پاکستان پر دباؤ ڈالنا اس بڑے کھیل (گریٹ گیم) کا حصّہ ہے۔ بھارت کو پسندیدہ ترین ملک (MFN) قرار دینے کے اعلان کی اصل اہمیت اس پس منظر میں سمجھی جاسکتی ہے۔ واضح رہے کہ بھارت کے وزیرخارجہ ۲۴ نومبر ۲۰۱۱ء کو بھی یہی اعلان کر رہے ہیں کہ اصل مسئلہ پاکستان کے 'مقبوضہ' کشمیر [یعنی آزاد کشمیر] کو واپس لینا ہے۔ افغانستان میں اور افغانستان سے پاکستان میں بھارت کی کارروائیاں سرکاری اعتراف کے باوجود بلاروک ٹوک جاری ہیں۔ پاکستان کے خلاف بھارت کی آبی جنگ اپنے عروج پر ہے۔ ۶۰ کے قریب ڈیم وہ بنا چکا ہے اور ۱۵۵ منصوبوں پر کام ہو رہا ہے۔ کشمیر میں مظالم روزافزوں ہیں اور گمنام قبروں کے بارے میں عالمی اداروں کے انکشافات کے باوجود اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں، اور نہ پابندیاں ہی لگانے کی کوئی بات کرتا ہے۔ بلوچستان، فاٹا اور کراچی میں بھارت کی دراندازیوں کے شواہد اور بھارت میں بےقصور پاکستانیوں کے جیلوں میں سڑنے اور بھارت کے عدم تعاون کے باوجود اس حکومت کی نگاہ میں اگر کوئی مسئلہ اہم ہے تو وہ بھارت کو پسندیدہ ترین ملک قرار دینے کا ہے۔ ان مسائل کو حل کرنا اور اس کے لیے مناسب علاقائی اور عالمی حکمت عملی بناکر پوری قوت سے سفارت کاری کا اہتمام کرنا اس کے ایجنڈے میں شامل ہی نہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ حزبِ اختلاف اور حکومت کے اتحادیوں کا کردار بھی اس سلسلے میں مایوس کن ہے۔ صرف جماعت اسلامی اور دوسری دینی جماعتوں نے اس خطرناک پسپائی کے خلاف اپنی آواز اٹھائی ہے اور قوم کو اصل خطرات سے متنبہ کیا ہے ورنہ مفادات کے کھیل میں مصروف سیاسی قیادت کی ترجیحات بہت مختلف ہیں۔

اصل موضوع کے جملہ پہلوؤں پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کا بھی کھل کر اظہار کر دیا جائے کہ حکومت کا موجودہ فیصلہ نہایت عجلت میں کیا گیا ہے اور گُلھیا میں گڑ پھوڑنے کے مترادف ہے۔ بھارت نے ۱۹۹۷ء میں پاکستان کو نام نہاد پسندیدہ ملک قرار دیا تھا مگر اس کو غیرمؤثر بنانے کے لیے سیاسی تعلقات میں کشیدگی، ناکام مذاکرات کے ڈھونگ رچانے اور دوستی کی خواہش کے بلندبانگ دعووں کے علی الرغم کشمیر تو کیا، دوسرے ذیلی متنازع امور،

مثلاً سیاچین اور سرکریک کے بارے میں تمام امور طے کرنے اور صرف دستخطوں کی کسر باقی رہنے والی پیش رفت کے باوجود اُلٹی زقند لگائی اور عملاً کسی ایک مسئلے کو بھی حل نہیں کیا۔ گو اس زمانے میں ۱۰۴ بار مذاکرات کی میز سجائی گئی اور اس طرح ایک طرف سے بے مقصد اور بے نتیجہ ڈھونگ رچایا گیا تو دوسری طرف عالمی محاذ پر پاکستان کو بدنام کرنے اور اس کی پالیسیوں کی کاٹ کر کے انھیں غیر مؤثر بنانے کی جنگ ''(crusade)'' جاری رکھی۔ تجارت کے میدان میں ایم ایف این کا ڈھنڈورا ضرور پیٹا لیکن ۷۶۳ اشیا پر بھارت میں درآمد پر پابندی عائد کردی اور کم ترقی یافتہ ممالک سے درآمد کے لیے جن چیزوں کو ممنوعہ فہرست (negative list) میں رکھا، ان میں وہ تمام اشیا موجود ہیں جن کو پاکستان سے بھارت کے لیے برآمد کیا جاسکتا تھا، یا جن میں پاکستان کو قیمتوں کے باب میں مقابلتاً فائدہ حاصل تھا۔ ان اشیا میں گوشت، مچھلی، شہد، آلو، ٹماٹر، لہسن، پیاز، گاجر، مختلف قسم کے پھل بشمول نارنگی، خربوزہ، ناشپاتی، سیب، آڑو، آلوچہ، دالیں، مختلف قسم کے تیل، تمباکو، مختلف نوع کی معدنیات، تعمیرات میں استعمال ہونے والی درجنوں اشیا، کپڑا اور مختلف نوعیت کی ٹیکسٹائل، دھاگا، فیبرک، سلک، بُنا ہوا کپڑا، پولسٹر، قالین، لکڑی اور زرعی آلات وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح تجارتی اشیا پر محصولات (tariff) کا ہتھیار بڑی ہوشیاری سے استعمال کیا گیا ہے اور زرعی پیداوار اور زراعت سے مختلف اشیا کی درآمد پر ۳۳ سے ۴۰ فی صد تک درآمدی ڈیوٹی ہے، اس کے علاوہ غیر محصولاتی رکاوٹیں (non tariff barriers) ہیں جن کی تعداد ایک تحقیقی مطالعے کی رُو سے ۲۷ ہے جس نے پاکستان کی مصنوعات کے بھارت کی منڈیوں تک پہنچنے کے امکانات کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔

ایک ہاتھ سے دینے اور دوسرے سے واپس لینے کی چانکی اور مکیاولی کی تجویز کردہ حکمت عملی پر بھارت نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے بھرپور عمل کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان کو پسندیدہ ملک کی ٹوپی پہنانے کے باوجود جو بھی تجارت بھارت اور پاکستان کے درمیان گذشتہ ۲۰ برسوں میں ہوئی ہے، اس میں پاکستان سے بھارت جانے والی برآمدات، بھارت سے آنے والی درآمدات کا پانچواں حصّہ رہی ہیں۔ ان تمام تجربات کی روشنی میں پاکستان کی تمام حکومتوں نے بھارت سے تجارت کو معمول پر لانے (normalization of trade) اور تجارت کو آزاد

بنیادوں پر استوار کرنے (trade liberalization) کو دو اہم امور سے مشروط کیا تھا--- ایک سیاسی، یعنی کشمیر، پانی کا مسئلہ، سیاچین، سرکریک اور دوسرے متنازع امور کا بین الاقوامی قانون اور معاہدوں اور انصاف کے معروف اصولوں کے مطابق حل، اور دوسرا تجارت اور سرمایہ کاری کے باب میں حقیقی برابری کا حصول جس کے لیے ضروری ہے کہ محصول کے نظام میں بھی تبدیلیاں ہوں، غیرمحصول رکاوٹوں اور دوسری انتظامی رکاوٹوں (infra-structural obstacles) کو دُور کیا جائے تاکہ حقیقی معنی میں برابری کی بنیاد پر مقابلہ (level playing) ممکن ہوسکے۔

پاکستان کی قومی پالیسی کے یہ بڑے محکم اصول تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ستمبر ۲۰۱۱ء سے نومبر ۲۰۱۱ء کسی نے کہیں سے ڈوری ہلائی ہے جس کے نتیجے میں کوئی ایسا خفیہ انقلاب آیا ہے کہ ان دونوں اصولوں کو پامال کر کے 'چٹ منگنی پٹ بیاہ' کی مثال قائم کرتے ہوئے، پاکستان کے اسٹرے ٹیجک مفادات کو صریحاً نظرانداز کرتے ہوئے بھارت کو 'پسندیدہ ترین ملک' قرار دینے کا اقدام ملک اور قوم پر مسلط کیا جارہا ہے۔ یہ بنیادی تبدیلی (جیسا کہ زرداری گیلانی 'جمہوری حکومت' کی روایت ہے) کسی حقیقی مشاورت، پارلیمان اور ملک کی سیاسی قوتوں کو اعتماد میں لیے بغیر کی جارہی ہے۔

ستمبر میں وزیرتجارت نے بھارت کا دورہ کیا، پھر وزیرخارجہ نے بھارت یاترا کی۔ اس کے بعد کابینہ نے یہ اعلان کرڈالا جس پر امریکا اور بھارت نے تعریفوں کے ڈونگرے برسانا شروع کردیے۔ دوسری طرف خود ملک میں بھی ایک خصوصی لابی کی طرف سے تمام زمینی حقائق اور بھارت کے تاریخی کردار کو نظرانداز کر کے داد اور ستایش کا ایک طوفان برپا کیا جارہا ہے۔ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ ہم نے سب کو اعتماد میں لیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ پارلیمنٹ اور اس کی متعلقہ کمیٹیوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی گئی۔ زراعت اور صنعت سے متعلّق بیش تر ادارے برملا کہہ رہے ہیں کہ ہم سے کوئی مشورہ نہیں ہوا۔ ٹیکسٹائل، آٹوموبائل، فارماسیوٹیکل صنعت اور چھوٹی اور درمیانی صنعت سے متعلّق تمام ہی تنظیمیں اس اقدام کی سخت مخالفت کررہی ہیں۔ دعویٰ کیا گیا کہ دفاعی اداروں (سیکورٹی اسٹیبلش منٹ) کو اعتماد میں لیا گیا ہے اور صرف ہماری وزیرخارجہ ہی نہیں، بھارت کے وزیراعظم جناب من موہن سنگھ نے بھی مالدیپ میں اعلان کیا کہ اسے فوج کی تائید

حاصل ہے، جب کہ اس دعوے کے چند ہی دن کے بعد یہ خبر بھی فوجی حلقوں کی طرف سے آگئی کہ اس فیصلے میں فوج کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ سب سے افسوس ناک اور تکلیف دہ صورت حال پارلیمنٹ کی کمیٹی براے تجارت کے اسی ہفتے منعقد ہونے والے اجلاس میں سامنے آئی کہ ٹیکسٹائل کی وزارت کے وزیر مخدوم شہاب الدین صاحب اور سیکرٹری ٹیکسٹائل نے کمیٹی کو بتایا کہ ان کی وزارت سے مشورہ تک نہیں ہوا ہے اور وہ اس فیصلے کو پاکستان کے لیے سخت نقصان دہ سمجھتے ہیں۔

ان تمام حقائق کی روشنی میں اس جلدبازی کا سبب تلاش کرنا مشکل نہیں۔ جس طرح افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کا معاہدہ اسلام آباد یا کابل میں نہیں ہوا، اس کی جاے ولادت واشنگٹن ہے اور دائی کا کردار خود امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ مادام ہیلری کلنٹن نے ادا کیا ہے، اسی طرح کابینہ کا یہ فیصلہ بھی امریکا کے حکم پر، بھارت کو راضی کرنے اور ایک مخصوص لابی کے مفادات کی ترویج کی خاطر نہایت رازداری کے ساتھ اور نہایت عجلت میں کیا گیا ہے۔ گویا ؎

بے خودی بے سبب نہیں، غالبؔ
کچھ تو ہے، جس کی پردہ داری ہے

اب ہم اس مسئلے کے سب سے اہم پہلو پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور وہ اس کا سیاسی پہلو ہے۔ قوم کو یہ وعظ دیا جارہا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ اور دوسرے تنازعات کو تجارت اور معاشی تعلقات سے الگ کرنا ضروری ہے۔ سیاست سیاست ہے اور معیشت معیشت۔ اب تک پاکستان کی تمام حکومتیں جھک مارتی رہیں کہ بزعم خویش کشمیر کی خاطر معیشت اور تجارت کو یرغمال بنا دیا گیا اور محض اس سیاسی تنازع کی وجہ سے وہ تجارت جو ۱۰ بلین ڈالر تک پہنچ سکتی ہے، صرف ۲ بلین کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے۔ امریکا اور بھارت دونوں یہ درس دے رہے ہیں کہ سیاست اور تجارت کو الگ الگ کرنا ہی اصل دانش مندی ہے اور اب تک پاکستان نے مسئلہ کشمیر اور دوسرے تنازعات کے منصفانہ حل کی جو شرط تجارت کو معمول پر لانے اور سرمایہ کاری کے میدان میں بھارت کے لیے دروازے کھولنے کے ساتھ لگا رکھی تھی، اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ معاشی ترقی اور تجارت میں غیرمعمولی متوقع اضافے کا جو سبز باغ دکھایا جارہا ہے اور خصوصیت سے انگریزی پریس اور میڈیا

میں اس بات کو جس تکرار سے پیش کیا جا رہا ہے، وہ نہایت گمراہ کن ہے۔

ہم بڑے ادب سے عرض کریں گے کہ سیاست اور تجارت کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہی وجہ ہے بین الاقوامی تعلقات علم و عمل دونوں میں یہ بات ایک مسلّمہ اصول کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ trade is an extension of diplomacy (تجارت، سفارت کاری کی توسیع ہے)۔ اگر تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو ایک دوسرے کے ساتھ ایک طرح کے محصولات (reciprocal tariffs) کا تصور ہی سیاست اور معیشت کے ناقابلِ انقطاع رشتے کی پیداوار ہے۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے عشور، یعنی import duty کے محصول کو دوسرے ممالک کی محصول کی پالیسی کے جواب میں اختیار کیا تھا۔ دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے کہ ڈپلومیسی ہی نہیں جنگیں اور بین الاقوامی جنگیں تک تجارت کے اہداف کے حصول کے لیے واقع ہوئی ہیں۔ یورپی استعمار کا تو اہم ترین ہتھیار تجارت تھی۔ ہمیں خود بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی برعظیم میں آمد اور پھر تجارت کے ساتھ برطانوی افواج اور جھنڈے کی آمد کا تجربہ ہے۔ چین پر مشہورِ زمانہ افیم کی جنگیں تجارت ہی کے فروغ کے مقاصد کے لیے برپا کی گئی تھیں۔ امریکا اور کیوبا میں تجارتی تعلقات کا انقطاع کسی معاشی یا مالی وجہ سے نہیں، خالص سیاسی اسباب سے ہے۔ امریکا میں کیوبا کے تجارتی اموال کی درآمد کا تو سوال ہی نہیں۔ آپ اپنی جیب میں ایک ہوانا سگار تک لے کر آزاد معیشت کے اس سرخیل ملک میں داخل نہیں ہوسکتے۔ دنیا بھر میں معاشی پابندیوں کا جو حربہ امریکا اور یورپی ممالک استعمال کر رہے ہیں، وہ سیاست اور تجارت کے ایک مسئلے کے دو رُخ ہونے کے سوا اور کیا ہے۔ خود پاکستان کو بار بار ان پابندیوں کا تجربہ ہوا ہے۔ ہمارا ہمسایہ ملک ایران اس کا برسوں سے شکار ہے۔ روس، چین اور دسیوں ممالک اس کا تجربہ کرتے رہے ہیں۔

آیئے، ذرا کیری لوگر بل کے قانون پر بھی نظر ڈالتے ہیں جس کے تحت ملنے والی یا نہ ملنے والی امداد کا شور ہے۔ اس قانون پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کا تین چوتھائی حصہ سیاسی شرطوں، مطالبات اور پابندیوں پر مشتمل ہے۔ امریکا اور تمام ہی یورپی ممالک ہمیں آزاد تجارت کا درس دیتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ان کے اپنے محصولات اور سبسی ڈیز دونوں کے نظام پر نگاہ ڈالتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ معیشت اور تجارت سیاست کے ماتحت ہیں۔ ورلڈ بنک، آئی ایم ایف اور مغربی معاشی

پالیسی ساز ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ زراعت یا قومی اہمیّت کے دوسرے معاشی شعبوں کو حکومتی امداد (سبسڈی) سے پاک کریں اور باہم مقابلوں (competetion) کی نعمتوں سے مالا مال ہوں، مگر ان تمام ممالک میں زراعت اور اسٹرے ٹیجک اہمیّت کے دوسرے معاشی دائرے حکومتی امداد اور محصولات دونوں کے حصار میں ہیں۔ امریکا اور یورپ صرف حکومتی امداد کی مَد میں ۳۶۰ ارب ڈالر سالانہ فراہم کرتے ہیں اور ہمیں مجبُور کرتے ہیں کہ ہم زراعت میں یہ امداد ختم کریں۔ یہ تضاد اور دوغلا پن عالمی سیاست کا حصّہ ہے لیکن ہماری اور دوسرے ترقی پذیر ممالک کی قیادتیں صرف بیرونی دباؤ میں وہ پالیسیاں اختیار کرتی ہیں جو ان کے اپنے نہیں، دوسروں کے مفادات کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ ہمیں عالمی تجارتی تنظیم (WTO) کے قواعد وضوابط (protocols) دن رات یاد دلائے جاتے ہیں لیکن امریکا، یورپ اور خود بھارت میں جو محصولات، غیر محصولاتی پابندیاں، اور حکومتی امداد پالیسی کا حصّہ ہیں اور ان کی آنکھ کے شہتیر ہیں، وہ کسی کو نظر نہیں آتے۔ عالمی تجارتی تنظیم ہی کے طے کردہ Doha Round کے معاہدے کو ۱۰ برس ہوگئے ہیں لیکن آج تک مغربی ممالک نے اس کی توثیق نہیں کی ہے۔ آزاد تجارت کا سارا وعظ صرف پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کے لیے ہی ہے۔

اس اصولی تاریخی بحث کے بعد ہم اس امر کا اعادہ کرنا چاہتے ہیں کہ بھارت سے تجارت اور سرمایہ کاری کو معمول پر لانے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ پہلے کشمیر اور پانی کے مسائل طے ہوں، اور پھر دوسرے متنازع امور کو طے کیا جائے اور جب تک یہ نہ ہو، تجارت اور خود سیاسی تعلقات نارمل نہیں ہوسکتے۔ بھارت اور امریکا کے آگے سپر ڈالنے اور ان کے ایجنڈے کے مطابق عمل کرنے سے معاشی فوائد تو حاصل ہونے کی کوئی توقع نہیں لیکن ان سے جو سیاسی نقصانات ہیں وہ ہمالہ سے بھی بڑے ہیں اور یہ قوم کسی قیمت پر ان کو قربان کرنے کے لیے تیار نہیں۔ دینی اور چند سیاسی جماعتوں نے مؤثر انداز میں اس پہلو کو اُٹھایا ہے، مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کی قیادت نے بھی اس سلسلے میں آواز بلند کی ہے اور سب سے مؤثر آواز علی گیلانی کی ہے۔ شروع میں آزاد کشمیر کی حکومت خاموش تھی لیکن اب وہ بھی مجبُور ہوئی ہے کہ کشمیر کی تمام سیاسی اور جہادی قوتوں کی آواز میں آواز ملائے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ بڑا ہی نازک مرحلہ ہے۔ بھارت ۶۴ برس تک فوجی قوت

اور تمام آمرانہ اور ظالمانہ ہتھکنڈوں کو استعمال کرنے کے باوجود جموں وکشمیر کی تحریکِ آزادی کو کچل نہیں سکا ہے اور اب خود بھارت ہی سے بڑی جان دار آوازیں اُٹھنے لگی ہیں کہ کشمیر پر قبضہ جاری رکھنا ممکن نہیں اور اس کی قیمت ناقابلِ برداشت ہوتی جارہی ہے۔ یورپین پارلیمنٹ اور برطانوی پارلیمنٹ میں اس سال بھی کھل کر کشمیر کے مسئلے پر بحث ہوئی ہے اور اس کے حل کی ضرورت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ بھارتی دانش ور اروندھتی راے نے تو بہت ہی واشگاف طریقے سے اعلان کیا ہے کہ کشمیر میں بھارت کی حیثیت قبضے (occupation) کی ہے اور قبضہ ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

ان حالات میں کشمیر اور پانی کے مسئلے کو نظرانداز کر کے یا پسِ پشت ڈال کر تجارت اور معاشی تعلقات کی بحالی ایک سراسر خسارے کا سودا اور کشمیری عوام کی قربانیوں اور تاریخی جدوجہد سے غداری ہے۔ پاکستان کی حاکمیت اور آزادی اور کشمیر کے مسلمانوں کی جدوجہد کی معاونت کو جس کا دل چاہے 'غیرت بریگیڈ' کے القابات سے نوازے لیکن پاکستانی عوام کی عظیم اکثریت اپنی آزادی اور عزت کی حفاظت اور کشمیر کے بھائیوں کے ساتھ ان کی جدوجہد آزادی میں بھرپور معاونت کو اپنے دین و ایمان اور پاکستان کے اسٹرے ٹیجک مفادات میں مرکزی اہمیّت کا حامل سمجھتے ہیں۔ ہر سروے میں بھارت اور امریکا کو عوام نے دوست نہیں دشمن ملک قرار دیا ہے اور یہ اس لیے کہا ہے کہ ان کی پالیسیاں ہماری آزادی، سلامتی، عزت اور مفادات سے متصادم ہیں۔ اگر حکومت عوام کے دل کی اس آواز کو نظرانداز کر کے امریکی دباؤ اور بھارتی قیادت کی عیارانہ سفارت کاری کے تحت کوئی پالیسی بناتی ہے تو وہ اسے کسی قیمت پر بھی قبول نہیں کریں گے اور ان شاء اللہ اسے ناکام بنا کر دم لیں گے۔

ہماری نگاہ میں مسئلے کا سیاسی، نظریاتی اور اخلاقی پہلو سب سے اہم ہے لیکن خود معاشی اعتبار سے بھی یہ سودا سراسر خسارے کا سودا ہے اور زمینی حقائق کو نظرانداز کر کے ایک نہایت تباہ کن پالیسی ملک پر مسلط کی جارہی ہے۔ اس کے بڑے بڑے وجوہ درج ذیل ہیں:

معاشی تجزیے کے نقطۂ نظر سے تجارت کے فروغ کے لیے دو ملکوں کی معیشت کا ایک

دوسرے سے تعلّق باعثِ افادیت (complimentary) ہونا چاہیے تاکہ ایک ملک دوسرے کو وہ چیز فراہم کرسکے جس میں اسے مقابلتاً فائدہ حاصل ہے۔ اس کے برعکس جن ملکوں کی معیشت مسابقانہ (competetive) ہے ان میں تجارت ہمیشہ محدود رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت کی معیشت مسابقانہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ دونوں کی مصنوعات ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں اور تجارت میں غیرمعمولی ترقی کے امکانات محدود ہیں۔ اس سے بھی اہم یہ ہے کہ بھارت کی معیشت مضبوط ہے اور پاکستان کی اس وقت کمزور اور غیر مستحکم ہے، اور اس مقابلے میں بھارت کو بالادستی حاصل ہے۔ دونوں کے لیے مساوی مواقع موجود نہیں۔ چونکہ بھارت کی معیشت زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ متنوع ہے، اس لیے بھارت کی پاکستان کے لیے برآمدات، پاکستان کی بھارت کے لیے برآمدات سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگر گذشتہ ۲۵ برس کے تجارتی حقائق کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل ثابت ہوتی ہے۔ ہماری منڈیوں میں بھارتی مصنوعات کے درآنے کے مواقع ان مواقع سے چار اور پانچ گنا زیادہ ہیں جو پاکستانی مصنوعات کو بھارت کی منڈیوں میں رسائی کے لیے حاصل ہیں۔ یہ سال دو سال کا معاملہ نہیں، ۲۵ برس کا رجحان یہی ہے۔ خود پاکستان اکانومک سروے میں اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے اور اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد وشمار سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ صرف چند برسوں کے اعداد وشمار دیکھیے:

سال	بھارت سے پاکستانی درآمدات	بھارت کو پاکستانی برآمدات
۹۵-۱۹۹۴ء	۳,۱۷۲ ملین	۱,۳۷۹ ملین
۹۷-۱۹۹۶ء	" ۷,۹۸۰	" ۱,۴۱۲
۲۰۰۱-۲۰۰۰ء	" ۱۳,۹۲۸	" ۳,۲۴۶
۰۴-۲۰۰۳ء	" ۲۲,۰۰۴	" ۵,۳۹۸
۰۷-۲۰۰۶ء	" ۷۴,۹۳۸	" ۲۰,۸۰۳
۰۸-۲۰۰۷ء	" ۱۰۶,۸۷۲	" ۱۹,۹۰۵
۰۹-۲۰۰۸ء	" ۹۲,۹۰۲	" ۲۶,۴۶۳

یہی رجحان ابھی تک جاری ہے۔ تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ یکم جولائی ۲۰۱۰ء سے ۲۰ جون ۲۰۱۱ء تک صرف واہگہ بارڈر کے راستے بھارت سے ۳۱ ہزار ۸ سو ۷۹ ٹرک آئے جن میں ۲۰/ارب ۹۹ کروڑ ۴۵ لاکھ روپے کا سامان آیا، جب کہ پاکستان نے صرف ۴ ہزار ۶ سو ۶۴ ٹرک بھیجے جن کے ذریعے برآمد ہونے والے مال کی قیمت ایک ارب ۳۳ کروڑ ۶ لاکھ روپے تھی (کہاں تقریباً سو ارب اور کہاں تقریباً ۲۱ ارب ---- گویا تقریباً ایک اور بیس کی نسبت)۔ رواں سال (جولائی ۲۰۱۱ء تا اکتوبر ۲۰۱۱ء) کے چار مہینے میں بھارت سے واہگہ کے راستے ۵/ارب ۲۷ کروڑ ۳۱ لاکھ کا سامان پاکستان میں آیا، جب کہ اس عرصے میں پاکستان سے بھارت کے لیے برآمدات صرف ۷۷ کروڑ ۳۵ لاکھ روپے کی تھیں۔

ان حقائق کی روشنی میں اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ بھارت کی ایک ارب ۳۰ کروڑ کی آبادی کی وسیع و عریض منڈی کے جو سبز باغ دکھائے جارہے ہیں، ان کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلّق نہیں۔ ہماری تجارت بھارت سے گذشتہ ۲۵ برس میں، جن میں ۱۹۹۶ء کے پاکستان کو نام نہاد پسندیدہ ملک قرار دینے کے ۱۶ سال بھی شامل ہیں، ہر سال پاکستان بھارت کی تجارت، پاکستان کے لیے خسارے میں ہی رہی ہے اور اوسطاً ہماری برآمدات کے مقابلے میں بھارت سے درآمدات ۴ سے ۵ گنا زیادہ رہی ہیں۔ اور من جملہ دوسری وجوہ کے اس میں بھارت کی معاشی پالیسی، محصولات اور غیر محصولاتی رکاوٹوں کا نظام ہے جسے بھارت ذرا بھی بدلنے کو تیار نہیں۔ تاریخی طور پر پاکستان کا ہمیشہ یہ موقف رہا ہے اور یہی صحیح موقف ہے کہ کشمیر اور دوسرے تنازعات کا حل اور معاشی میدان میں بھارت کے محصول اور غیر محصول رکاوٹوں کے نظام میں بنیادی تبدیلی کے بغیر دونوں ملکوں میں تجارت اور معاشی رابطے نارمل نہیں ہوسکتے ---- تاکہ معاشی تعلقات اس نہج پر استوار ہوسکیں، جو محض ایک ملک کے فائدے میں نہ ہوں بلکہ دونوں جن سے برابر کا فائدہ اُٹھا سکیں۔ یہی مسئلے کی اصل حقیقت ہے جسے یکسر نظرانداز کرنے اور ان دونوں کے تعلّق (linkage) کو توڑ کر موجودہ حکومت امریکا اور بھارت کے دباؤ میں وہ پالیسی ملک پر مسلط کرنا چاہ رہی ہے جو پاکستان کے مفادات کی ضد ہے۔

ایک اور بے حد نازک پہلو بھی توجہ طلب ہے۔ بھارت کی دل چسپی محض تجارت تک ہی

محدود نہیں، وہ پاکستان میں سرمایہ کاری کر کے ہماری صنعت پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ سابق وزیراعظم شوکت عزیز کا یہ مکالمہ ریکارڈ کا حصّہ ہے کہ بھارت نے پاکستانی اسٹیل مل خریدنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ بھارت ہماری معیشت کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے تجارت کے ساتھ سرمایہ کاری کے ذریعے صنعت اور اسٹرے ٹیجک اداروں پر بھی قبضہ چاہتا ہے، اور اس کے لیے بلاواسطہ سرمایہ کاری کے علاوہ بالواسطہ سرمایہ کاری کے ذرائع بھی استعمال کر رہا ہے جس کا راستہ روکا جانا ضروری ہے۔ حالیہ سارک کانفرنس (مالدیپ) میں بھی یہ مسئلہ آیا اور بھارت نے کُھل کر یہ سوال اُٹھایا ہے کہ تجارت کی آزادی کے ساتھ سرمایے کی آزادکاری یا مشترک سرمایہ کاری کو بھی اس کا حصّہ ہونا چاہیے۔ اس سے بھارت کے اصل عزائم کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔

ہم ایک اور پہلو کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتے ہیں اور اس کا تعلّق ہماری معیشت کے بھارت پر انحصار (dependence) سے ہے۔ ہم دوبار تجربہ کرچکے ہیں کہ ۱۹۴۹ء اور ۱۹۶۵ء میں بھارت نے تجارتی تعلقات کو یک قلم منقطع کر کے پاکستان کو شدید معاشی بحران میں دھکیلنے کی کوشش کی۔ ہم نے بڑی مشکل اور مسلسل محنت سے بھارت پر انحصار کو کم کیا ہے۔ نئی پالیسی کے تحت یہ انحصار بڑھے گا اور اگر تجارت کے ساتھ سرمایہ کاری کے اثرات کو بھی شامل کرلیا جائے تو معاشی تعلقات کی یہ نوعیت ایک نئی سامراجی کیفیت کو جنم دے سکتی ہے۔ پاکستان کی معیشت پر بھارت اور بھارتی سرمایہ کاروں اور تاجروں کی گرفت بڑھتی جائے گی۔ یہاں کی صنعت خصوصیّت سے درمیانی اور چھوٹی صنعت بُری طرح متاثر ہوگی، اور بے روزگاری بڑھے گی۔ بھارت کے لیے معاشی حربوں کے ذریعے صرف پاکستان کی معیشت ہی کو اپنی گرفت میں لانے کا موقع نہیں ملے گا بلکہ اس کی وجہ سے اندرونِ ملک اس کو ایسے فیصلہ ساز (leverage) کی حیثیت حاصل ہوتی چلی جائے گی جو ہماری خودمختاری، نظریاتی شناخت، سیاسی آزادی اور تہذیبی اور ثقافتی وجود کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ ان پہلوؤں کو نظرانداز کرنے کے بڑے خطرناک اثرات اور نتائج ہوسکتے ہیں جن کا اِدراک اِس وقت ضروری ہے۔ اچھے سیاسی اور معاشی روابط اور تعلقات کے ہم بھی قائل ہیں لیکن یہ اسی وقت ممکن ہیں کہ مسئلے کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اور سیاسی اور معاشی ہردو پہلوؤں کے ربط و تعلّق کی روشنی میں حقیقت پسندانہ پالیسیاں تشکیل دی جائیں جو پاکستان کی آزادی، سلامتی،

معاشی استحکام اور نظریاتی اور تہذیبی شناخت کی ضامن ہوں۔ اس سے ہٹ کر جو راستہ بھی اختیار کیا جائے گا، اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ع

ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارا

ہم پاکستان کی تمام سیاسی اور دینی قوتوں کو ان معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔ قوموں کے فیصلے پورے سوچ بچار اور باہمی مشاورت کے ساتھ، عوام کے جذبات اور اُمنگوں کے مطابق اور ملک وقوم کے مفادات کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے ہونے چاہییں۔ وقتی مفادات، ذاتی ترجیحات اور بیرونی دباؤ کے تحت جو فیصلے اور اقدام بھی ہوں گے، وہ تباہی کا ذریعہ بنیں گے۔ ترقی، عزت اور خوش حالی ان کا حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہم موجودہ حالات میں بھارت کو 'پسندیدہ ترین ملک' قرار دینے کو پاکستان کے مفادات پر ایک کاری ضرب اور معاشی خودکشی کی طرف ایک قدم سمجھتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس پر فوری نظرثانی کرے اور ملک کو اس تباہی سے بچالے جو خدانخواستہ اس کے لازمی نتیجے کے طور پر سامنے آئے گی۔ ہم پاکستان کی پارلیمنٹ، تمام سیاسی اور دینی جماعتوں اور سب سے بڑھ کر پاکستانی عوام اور ملک کے نوجوان طبقے سے اپیل کرتے ہیں کہ اس اقدام کے خطرناک ہونے کا احساس کریں اور مؤثر احتجاج کے ذریعے، حکومت کو معاشی تباہی کے اس راستے پر ایک قدم بھی آگے بڑھانے سے روک دیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے اس کا رب اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتا ہے: میں اکیلا معبُود ہوں میرے علاوہ کوئی معبُود نہیں، اور میں سب سے بڑا ہوں۔ اور جب کہتا ہے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں تنہا معبُود ہوں، میرے علاوہ کوئی معبُود نہیں، میرا کوئی شریک نہیں۔ اور جب کہتا ہے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نہیں کوئی معبُود مگر میں، میرے لیے ہے بادشاہت اور میرے لیے ہے حمد۔ اور جب کہتا ہے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے سوا کوئی معبُود نہیں۔ کسی کے پاس کوئی قوت نہیں اور کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتا، مگر میری توفیق کے ساتھ۔ اور آپؐ فرماتے تھے: جو آدمی اپنی بیماری میں یہ ذکر کرے پھر فوت ہو جائے تو آگ اسے نہیں کھائے گی (یعنی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا)۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

اس ذکر کی مسلسل عبارت یوں ہے: لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، نہیں کوئی معبُود مگر اللہ اور اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں کوئی معبُود مگر اللہ تنہا اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہیں کوئی معبُود مگر اللہ، اسی کے لیے ہے بادشاہت، اور اسی کے لیے ہے حمد۔ نہیں کوئی معبُود مگر اللہ اور نہیں کوئی قوت اور نہیں کوئی تدبیر مگر اس کی توفیق اور مدد سے۔

اللہ تعالیٰ کی جو صفات اور شانیں قرآن و حدیث میں آئی ہیں ان پر مشتمل ذکر ایمان و عمل میں قوت کا ذریعہ ہے۔ اس لیے ایسے ذکر کو معمول بنانا چاہیے۔ سب سے بڑی صفت اور شان لا الٰہ الا اللہ ہے

اور یہ افضل الذکر ہے۔ پھر یہ احساس کتنا لطف انگیز اور ایمان افروز ہے کہ ادھر ہم ذکر کرتے ہیں، اور ادھر اللہ تعالیٰ اسے دُہراتا ہے۔ پھر موت کے لیے بیماری کی شرط نہیں ہے، اس لیے اس ذکر کے ساتھ جو بشارت ہے اس کی خاطر، اسے معمول بنالینا چاہیے۔

○

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی آدمی جس کا نام زاہر بن حرام تھا دیہات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ لایا کرتا تھا، اور جب وہ واپس جانا چاہتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے کچھ سامان بطور ہدیہ دیا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کا شہر ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت رکھتے تھے۔ وہ خوش شکل نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اس کے پاس آئے تو وہ سامان فروخت کر رہا تھا۔ آپؐ نے پیچھے سے اسے بغل میں لے لیا۔ وہ آپ کو دیکھ نہیں رہا تھا، اس نے کہا: کون ہے یہ؟ مجھے چھوڑ دے، پھر اس نے مڑ کر دیکھا تو اس نے پہچان لیا کہ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تب وہ اپنی پیٹھ کو پورے زور سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک کے ساتھ ملانے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: کون ہے جو مجھ سے اس غلام کو خریدے؟ وہ کہنے لگا: یارسولؐ اللہ! تب آپؐ اسے کھوٹا پائیں گے (یعنی کم قیمت)، تو آپؐ نے فرمایا: لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں کھوٹے نہیں ہیں۔ (شرح السنة، مشکوٰة، باب المزاح)

صحابہ کرامؓ، شہری ہوں یا دیہاتی، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیے پیش کیا کرتے تھے اور آپ بھی انھیں بدلے میں ہدیہ پیش کیا کرتے تھے۔ زاہر دیہاتی صحابی تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے تھے۔ شہر میں سودا فروخت کرنے کے لیے لے کر آتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیہات سے پیدا ہونے والی چیزیں پیش کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہری چیزیں انھیں ہدیہ کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زاہر سے محبت رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا منظر حضرت انسؓ نے یہاں بیان کیا۔۔۔ ذرا آنکھیں بند کر کے یہ منظر سامنے لایئے۔ کسی معاشرت میں قائدین کا بلکہ سب سے بڑے قائد کا اپنے عام رفقا کے ساتھ یہ برادرانہ سلوک، یہ بے تکلفی (کہ آکے پیچھے سے سر پکڑ لیا!)۔ جب نیلام کے لیے آپؐ نے پیش کیا تو زاہر نے اپنے خوش شکل نہ ہونے کی وجہ سے اچھی قیمت نہ ملنے کا کہا تو آپؐ نے کیا اچھی بات کہی کہ اصل قدر و قیمت تو اللہ کے ہاں کی ہے جہاں تم کھوٹے نہ ہوں گے، بلکہ تم جیسوں کا ہی سکّہ چلے گا۔ دل چاہتا ہے، کہ ہمارے آس پاس بھی یہی خوش گوار ماحول ہو اور قدر ظاہری حُسن کی نہ ہو، بلکہ اللہ کے ہاں مقام کی ہو۔

○

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ میں جنت میں داخل ہوا ہوں (خواب کی حالت میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب بھی وحی ہوتا ہے)، تو میں نے ایک آدمی کو قرأت کرتے ہوئے سنا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: نیکی ایسی ہی ہونی چاہیے، نیکی ایسی ہی ہونی چاہیے۔ دو مرتبہ فرمایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ اپنی ماں کا سب سے بڑھ کر فرماں بردار اور اطاعت گزار تھا۔ (شرح السنة، بیہقی فی الایمان، مشکوٰة، باب البر والصّلة)

حضرت حارثہ بن نعمانؓ جلیل القدر صحابی ہیں۔ غزوۂ بدر، اُحد اور تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، لیکن اس کے ساتھ اپنی ماں کے بھی فرماں بردار اور اطاعت شعار تھے۔ ماں کی خدمت اور فرماں برداری کے نتیجے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنت میں قرآن پاک پڑھتے ہوئے سنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ان کی نیکی کی طرف بڑے جذبے سے متوجہ فرمایا کہ نیکی ہو تو ایسی جیسے حارثہ بن نعمانؓ کی نیکی تھی کہ جہاد میں بھی آگے آگے اور ماں کی خدمت میں بھی پیش پیش۔ بڑا خوش قسمت ہے وہ جسے یہ دونوں نعمتیں نصیب ہوں۔ زندگی میں یہ اعتدال مطلوب ہے۔ فرائض بھی ادا کیے جائیں اور حقوق بھی!

○

حضرت ابی بکرہؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی گناہ ایسا نہیں کہ اس پر دنیا میں بھی سزا ملے اور آخرت میں سزا کے لیے بھی وہ گناہ باقی رہے، سوائے ظلم اور قطع رحمی کے۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰة، باب البر والصّلة)

صلۂ رحمی کی بڑی تاکید آئی ہے اور اس کے بڑے اجر اور برکت بتائی گئی ہے۔ قطع رحمی، یعنی عزیز و اقارب کے حقوق ادا نہ کرنا، عام سا گناہ نہیں، دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی۔ ظلم سے مراد حقوق کا ادا نہ کرنا ہے۔ عزیز و اقارب کے بھی، دوسرے احباب اور معاشرے کے بھی۔

○

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتیوں کو آواز دینے والا آواز دے گا: اے جنت والو! اب تم ہمیشہ صحت مند رہو گے،

کبھی تم پر بیماری نہیں آئے گی۔ اب تمھارے لیے ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے، تم پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اب تم ہمیشہ جوان رہو گے، کبھی تم پر بڑھاپا نہیں آئے گا۔ اب تم ہمیشہ عیش و عشرت میں رہو گے، کبھی فقر و فاقہ نہیں آئے گا۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

جنت کی زندگی اصل زندگی ہے۔ اس کی قیمت اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی ایسی دائمی زندگی کے لیے سب سے اُونچا سودا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ جو اللہ کی بندگی کے ذریعے جنت کی بے نظیر اور بے مثال نعمتوں سے سرفراز ہوں۔ جنت کا یہ تصور اور اس کی وہ نعمتیں جن کے ذکر سے قرآن بھرا ہوا ہے، ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے رہیں، تو آدمی دنیا کی عارضی لذتوں کی خاطر جنت کی زندگی کا موقع ضائع ہرگز نہ کرے گا۔

○

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (''اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو''۔ اٰلِ عمرٰن ۳:۱۰۲) تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا: اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں گر پڑے تو زمین والوں کی زندگی تباہ ہوجائے، ان کا تمام سامانِ عیش خراب ہوجائے، تب ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کا کھانا زقوم ہوگا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

آیت کی تلاوت کرنے کے بعد، دوزخ کی سزا کے بیان کے ذریعے بتایا گیا کہ تقویٰ کی روش اور وہ بھی تاحیات اختیار نہ کرنے والے آخرت میں کس انجام سے دوچار ہوں گے، یعنی زقوم کا کھانا ہوگا۔ آج وہ لوگ جو اسلام کے خلاف صف آرا ہیں، اس دنیا میں کتنی ہی عیش و عشرت کرلیں، ان کے سب مزوں کی سزا دوزخ کی آگ اور زقوم کا کھانا ہوگا جو سب مزوں کو بھلا دے گا۔ آج وقت ہے کہ وہ کفر سے باز آجائیں، اور دنیاوی مزوں اور بڑائیوں کی خاطر اسلام اور ملت اسلامیہ پر حملہ آور ہونے سے باز آجائیں ورنہ کل قیامت کے روز افسوس کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سب کچھ بیان کرکے اتمامِ حجت فرما دیا ہے۔ راہِ راست واضح ہے جو آنا چاہے، اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اسلام کی دعوت پر مشتمل آیت کے بعد جہنم اور اس کے عذاب کی ہولناکی کا بیان اسی غرض کے لیے ہے کہ اسلام اس عذاب سے بچاؤ کا سامان ہے، اسے غنیمت جانو۔

قربانی

مسلمان کو مسلمان بناتی ہے

خرم مرادؒ

قربانی اور اندرونی صلاحیتیں

قربانیاں ہماری جدوجہد کی کامیابی میں دو طریقوں سے اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری اندرونی روحانی اور اخلاقی طاقتوں کو مضبوط کر دیتی ہیں اور ہمارے کردار کی اُن صفات کو پروان چڑھاتی ہیں جو ہماری جدوجہد کے ہر مرحلے پر کامیابی کے لیے لازمی ہیں۔ دوسرا یہ کہ اجتماعیت میں نظم و ہم آہنگی کو فروغ دیتی ہیں اور انھیں تقویت پہنچاتی ہیں، اور وسیع تر معاشرتی سطح پر جہاد برپا کرنے کی صلاحیتوں اور قوتوں سے بہرہ مند کرتی ہیں۔

قربانی کا ہر عمل آپ کے ایمان میں اضافہ کرتا ہے اور اس کو نشوونما دیتا ہے۔ یہ عمل آپ کے زبانی اعلان اور ذہنی ایقان کو ایک زندہ حقیقت میں بدل دیتا ہے۔ اللہ سے آپ کی محبت کی توثیق کرتا ہے اور اس میں اضافہ کا موجب بنتا ہے، کیوں کہ ہر قدم پر جب آپ اللہ کی محبت میں کوئی شے قربان کرتے ہیں، تو اللہ سے آپ کا اخلاص اور اُس پر آپ کا ایمان مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے، دیگر تمام وفاداریاں ثانوی حیثیت اختیار کرلیتی ہیں، کیوں کہ اُنھیں آپ صرف اللہ سے وفاداری کی خاطر قربان کر دیتے ہیں۔ مختصر الفاظ میں قربانیاں آپ کو اللہ سے قریب تر کر دیتی ہیں۔ دونوں باتیں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ عقیدہ جتنا مضبوط ہوگا قربانی دینے کی صلاحیت اور عزم اتنا ہی زیادہ ہوگا، اور جتنی بڑی قربانی دی جائے گی، عقیدہ اُتنی ہی گہری جڑ پکڑتا جائے گا۔

★ خرم مراد کی انگریزی کتاب Sacrifice کا ایک باب۔ ترجمہ: احمد حاطب صدیقی

تمام اخلاقی اوصاف کی افزایش کے لیے قربانیاں جزوِلازم ہیں، بالخصوص قوتِ برداشت، استقامت، استقلال، تحمل و بردباری، عزمِ صمیم اور اولوالعزمی کی صفات میں اضافے کے لیے۔ ان تمام صفات کا خلاصہ ایک لفظ میں کیا جاسکتا ہے اور وہ ہے: 'صبر'۔ ہر قربانی صبر کی صلاحیت کو تقویت پہنچاتی ہے، اس کے درجے میں اضافہ اور مضبوطی پیدا کرتی ہے۔ اس کے عوض صبر قربانی کی صلاحیت میں اضافہ اور استقرار پیدا کرتا ہے۔ یہ بھی دو طرفہ عمل ہے۔ اللہ کی طرف سے مدد ونصرت کے تمام وعدے، اِس دُنیا میں فوز و کامرانی کی تمام یقین دہانیاں اور آخرت کے تمام انعامات و اکرامات، سب ایمان اور صبر کے اکتساب سے مشروط ہیں۔ (آل عمران ۳:۱۲۵، ۱۳۹، الانفال ۸:۴۶، الاعراف ۷:۱۳۷، الزمر ۳۹:۱۰)

قربانی اور اجتماعی نظم وضبط

صبر بہت جامع وصف ہے۔ اس کے متعدد پہلوؤں میں سے ایک پہلو نظم وضبط ہے۔ نظم وضبط کا قربانی سے قریبی تعلّق ہے۔ اصل میں دونوں کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔ نظم وضبط اپنے مکمل مفہوم میں، بشمول ذاتی نظم وضبط، روحانی واخلاقی نظم وضبط، جماعتی نظم وضبط اور سماجی نظم وضبط، اُس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک آپ اپنی محبوب چیزوں کی قربانی دینے کے لیے تیار نہ ہوں۔ آپ اُس وقت تک اُن چیزوں کی قربانی بھی نہیں دے سکتے، جن کی آپ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت ہے جب تک آپ اپنے اندر نظم وضبط نہ پیدا کرلیں ـــــ اندرونی نظم وضبط۔ اگرچہ منظّم اجتماعی زندگی بھی فرد کے اندر قربانی کی روح پھونکنے میں کم اہم کردار ادا نہیں کرتی۔ قربانی بھی اس طرح کی منظّم اجتماعی زندگی کو تشکیل دینے اور اسے قائم رکھنے کے لیے اُتنی ہی ضروری ہے۔ آیئے ہم ایک مختصر جائزہ لیں کہ کیوں ضروری ہے؟

واضح بات ہے کہ جب اللہ کی راہ پر آپ اکیلے چل رہے ہوں تو اُس کی رضا وخوشنودی کے حصول میں کامیاب ہونے کے لیے آپ کو عظیم سے عظیم تر قربانیاں دینے اور زیادہ سے زیادہ ضبطِ نفس اختیار کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ مگر جوں ہی آپ یہ فیصلہ کرلیں کہ آپ دوسروں کے ساتھ مل کر دُنیا کو اُس کے خالق کی اطاعت وفرماں برداری کے تحت لانے کی اجتماعی جدوجہد کریں گے تو آپ کو اور زیادہ قربانیاں دینے کی ضرورت پڑے گی۔ اس کے بغیر آپ کی منظّم اجتماعی

جدوجہد ہی کوئی پایدار صورت اختیار کرسکتی ہے نہ آپ کے اندر اپنے مشن میں کامیابی کے لیے کوئی اُمنگ پیدا ہوسکتی ہے۔ قرآن کہتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ (الصف ۶۱:۴) ''اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اُس کی راہ میں اِس طرح صف بستہ ہوکر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔ کتنی حسین اور معنی خیز تمثیل ہے۔ مضبوط اور ٹھوس، مربوط اور پیوست، ناقابلِ تسخیر اور ہرطرح کے شگاف اور دراڑ سے مبرا، یہ ہے وہ انداز جس سے مسلم اُمہ مل جل کر اور باہم مربوط ہوکر اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتی ہے۔

اب دیکھیے دیوار کس طرح تعمیر کی جاتی ہے؟ بہت سی اینٹیں جوڑی جاتی ہیں تو دیوار بنتی ہے۔ ہر اینٹ اپنی منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اینٹیں ایک ٹھوس، مضبوط اور ناقابلِ تسخیر دیوار بننے کے لیے 'صف بندی' کیسے کرتی ہیں؟ ایک اینٹ دوسری اینٹ کے ساتھ کھڑی کر کے اور ایک اینٹ دوسری اینٹ کے اوپر نصب کر کے آپ سمینٹ سے جوڑ دیتے ہیں اور دیوار اونچی کرتے چلے جاتے ہیں۔ ہر ہر مرحلے پر دیوار کی مضبوطی اور اونچائی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہر اینٹ دوسری اینٹ سے اُسی طرح مشابہت رکھتی ہے جس طرح کی مشابہت ایک انسان دوسرے انسان سے رکھتا ہے، باوجودے کہ ہر ایک کی اپنی اندرونی انفرادیت بھی ہوتی ہے۔ کسی اینٹ کو اپنی یہ انفرادیت قربان کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مضبوطی اور شان داری کی یہ خوبیاں یقیناً بہت سی انفرادیتوں کے اکٹھا ہوجانے سے حاصل ہوتی ہیں۔

لیکن اگر آپ ایک دیوار بنائیں اور ہر اینٹ اپنے طریقے پر چلنے پر اَڑ جائے، اور اگر وہ اُس بوجھ کو سہارنے کے لیے تیار نہ ہو جو اوپر والی اینٹ سے اُس کو منتقل ہوگا یا جو سہارا اُسے اپنے نیچے والی اینٹ کو دینا ہے، اور اگر وہ اینٹ جسے کونے میں نصب ہونا ہے وہ اس بات کے لیے تیار نہیں کہ اُس کی ایسی تراش خراش کی جائے جس سے وہ اپنے مقام پر درست انداز سے فٹ ہوجائے، تو کوئی مضبوط دیوار کبھی بھی تعمیر نہیں کی جاسکتی۔ بہت سی اینٹوں کو زمین کے اندر بنیادوں میں نصب ہونا پڑتا ہے، عمارت بن جانے کے بعد وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتیں، حالانکہ پوری عمارت کا بوجھ اُنھی پر ہوتا ہے اور اُن کی اس قربانی کے بغیر عمارت زمین سے بھی اوپر نہیں اُٹھ سکتی۔ بہت سی اینٹوں کی توڑ پھوڑ کرنی پڑتی ہے تاکہ ایک ہموار دیوار بنائی جاسکے۔

ہر اینٹ سے تھوڑی تھوڑی قربانی لیے بغیر ایک مضبوط دیوار کبھی وجود میں نہیں آ سکتی۔

قربانی کیا ہے؟

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ قربانی کیا ہے؟ ہم کیا قربان کریں؟ کون سی قربانیاں دینا زیادہ دُشوار ہے؟ کن قربانیوں کو عظیم قربانی کہا جا سکتا ہے؟

● **دو اقسام:** قربانی، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، سادہ الفاظ میں اُن اشیا سے دست بردار ہو جانے کا نام ہے جو ہمیں محبوب ہیں، ہماری پسندیدہ ہیں اور جن کی ہماری نظروں میں کچھ قدر و قیمت ہے۔ جو فی الوقت ہماری ملکیت میں ہیں یا مستقبل میں ہم جنھیں حاصل کر لینے کی تمنا اور آرزو رکھتے ہیں۔ یہ اشیا قابلِ محسوس یا مادّی اشیا بھی ہو سکتی ہیں اور ناقابلِ محسوس یا مجرد اشیا بھی۔ مادّی اشیا میں سے اہم چیزیں وقت، دولت، دُنیاوی مال و متاع، جسمانی صلاحیتیں اور زندگی ہیں۔ مجرد اشیا میں سے اہم چیزوں میں ہمارے پیار محبت کے رشتے ناتے بالخصوص خاندانی تعلقات، ذاتی پسند و ناپسند، ترجیحات و تعصّبات، خیالات اور نقطۂ نظر، آرزوئیں اور تمنائیں، آرام و راحت، عہدہ و منصب یا محض ہماری انا اور خود پسندی۔

یہاں مجھے تین بنیادی اُصول پیش کرنے کی اجازت دیجیے جو میری نظر میں قربانی کے مکمل مفہوم سے آگاہ ہونے کے لیے سمجھنا ضروری ہیں:

اوّل: کسی چیز سے دست بردار ہو جانا صرف اُسی صورت میں قربانی کہلائے گا جب وہ چیز ہمیں محبوب ہو اور ہمارے نزدیک اُس کی کوئی قدر و قیمت ہو۔ اس لحاظ سے مادّی اور مجرد اشیا کے مابین کوئی خطِ امتیاز کھینچنا دُشوار ہے۔ حتمی تجزیہ یہ ہوگا کہ ہر قربانی ہماری محبت اور ہماری قابلِ قدر چیزوں کی قربانی ہے۔ جب ہم اپنی دولت، اپنی زندگی یا اپنے خاندانی تعلقات سے اللہ کی خاطر دست بردار ہوتے ہیں، تو درحقیقت ہم جس چیز سے دست بردار ہو رہے ہوتے ہیں، اور جو کیفیت اِسے قربانی کی شکل دیتی ہے، وہ خود مال، زندگی یا رشتوں ناتوں سے دست برداری نہیں بلکہ مال کی محبت، زندگی کی محبت یا عزیزوں اور رشتہ داروں کی محبت سے دست برداری ہے۔

دوم: مادّی چیزوں کے بجائے مجرد اشیا کی قربانی دینا زیادہ دُشوار اور زیادہ ضروری ہے۔

سوم: ہم اپنی محبوب اور قابلِ قدر اشیا سے صرف اُنھی چیزوں کے لیے دست بردار ہو سکتے

ہیں جو ہمیں اِن سے زیادہ محبوب ہوں اور جن کی ہماری نظر میں اِن سے زیادہ قدر و قیمت ہو۔

مادّی قربانیاں

یہاں ہمیں مادّی اشیا کی قربانی پر زیادہ وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم ایسی قربانیوں سے خوب واقف ہیں، ان کا اچھی طرح سے ادراک رکھتے ہیں اور ان کی ضرورت اور اہمیت کو تسلیم بھی کرتے ہیں، اُس صورت میں بھی کہ جب کئی مواقع پر ہم خود اس قسم کی قربانیاں دینے کے قابل نہ ہوں یا اس قسم کی قربانیاں دینے میں دُشواری محسوس کر رہے ہوں۔ لیکن اگر ہم نے اپنے آپ کو کسی نصب العین کے حصول کے لیے وقف کر دیا تو وقت یا موقع آنے پر ہمیں ان میں سے ہر شے کی قربانی دینی ہوگی۔ لہٰذا ہم یہاں رُک کر اُن کی کچھ اہم خصوصیات ملاحظہ کرتے ہیں۔

وقت

وقت ہماری سب سے قیمتی متاع ہے۔ ہماری زندگی کی کوئی ضرورت اور کوئی خواہش اُس وقت تک پوری نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم اُس کے حصول کے لیے وقت نہ نکالیں اور باقاعدہ وقت نہ دیں۔ ہم اپنا وقت مسرت کی تلاش میں صرف کر سکتے ہیں، دُنیاوی مال و متاع اور دولت کمانے میں صرف کر سکتے ہیں، کام میں صرف کر سکتے ہیں، لطف اندوزی میں صرف کر سکتے ہیں یا محض وقت گزاری میں بھی ___ کچھ نہ کرتے ہوئے۔

وقت وہ اوّلین شے ہے جو اللہ ہم سے طلب کرتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں وقت صرف ہوتا ہے۔ نماز ادا کرنے میں وقت صرف ہوتا ہے۔ دعوت کا کام کرنے میں وقت صرف ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے میں وقت صرف ہوتا ہے، اور بیمار کی عیادت کرنے میں وقت صرف ہوتا ہے۔ اللہ سے اپنا عہد پورا کرنے کے لیے ہمیں ہر لمحہ اُس کی رضا کے حصول میں صرف کرنا ہوگا۔ لیکن اگر آپ مزید گہرائی میں جا کر غور کریں تو آپ تسلیم کریں گے کہ جو چیز آپ فی الواقع قربان کر رہے ہیں وہ وقت نہیں ہے۔ وہ اشیا ہیں جن کی جستجو میں آپ کا وقت صرف ہوتا ہے، ایسی اشیا جو آپ کی زندگی کے نصب العین سے متصادم ہوسکتی ہیں، بے معنی، غیر اہم، یا اللہ کے کام کے مقابلے میں کم اہم۔ لہٰذا اسلام کے لیے وقت نکالنے سے قبل، کوئی اور کام کرنے سے پہلے، آپ کو بہت سی ایسی چیزوں کی قربانی دینی ہوگی جو آپ کا وقت لے لیتی ہیں۔

آپ اپنے آپ کو ان چیزوں کی قربانی دینے، اور اپنا وقت اللہ کے لیے مخصوص کر دینے پر کس طرح آمادہ کر سکتے ہیں؟

یاد رکھیے کہ وقت ایسی چیز ہے جسے آپ ایک لمحے کے لیے بھی تھام کر نہیں رکھ سکتے۔ یہ مسلسل آپ کے ہاتھ سے نکلتا اور پھسلتا ہی رہے گا، خواہ آپ اسے کسی کام میں بھی صرف کرنا چاہیں۔ وقت سے ملنے والا فائدہ بس وہی کچھ ہے جو آپ اُس وقت میں حاصل کر لیتے ہیں۔ ورنہ وقت تو برف کی طرح پگھل کر ختم ہو جائے گا، البتہ جو چیز آپ حاصل کریں گے وہ رہ جائے گی۔

ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیے کہ وقت کا ہر لمحہ یا تو ابدی سکون و راحت میں بدل سکتا ہے یا کبھی نہ ختم ہونے والے عذاب میں۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ وقت کو کیسے صرف کرتے ہیں۔ اِس بات کو ذہن نشین رکھنے کے نتیجے میں آپ زیادہ ثابت قدمی کے ساتھ وقت کی قربانی دے سکیں گے۔ وہ لمحے جنھیں آج آپ اپنی گرفت میں نہیں رکھ سکتے، کل آپ کے لیے نفع بخش ثابت ہوں گے، وہ کبھی ضائع نہیں جائیں گے۔ آخر آپ اُن چیزوں کے حصول کی قربانی کیوں نہ دیں جو کل آپ کو کبھی نہ ختم ہونے والی پریشانی یا پچھتاوے کی صورت میں واپس ملیں گی؟

پس جب وقت گزر رہی رہا ہے تو ذرا گہرے غور وخوض سے حساب لگایئے کہ آپ کیا حاصل کر رہے ہیں؟ کوئی ناپایدار شے یا کوئی ابدی چیز؟ آگے چل کر یہ کوئی پچھتاوا بنے گا یا خوشی؟ آپ کے وقت میں سے اسلام کو کون سی ترجیح ملی ہوئی ہے؟ اپنے وقت کا کتنا حصّہ آپ نے اللہ کے لیے مخصوص کیا ہے؟ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ (الحشر ۵۹:۱۸) ”ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے؟“

اللہ کے لیے اپنے وقت کی قربانی دینا اسلام کی روح ہے۔ جب بھی پکارا جائے آپ کو لازماً لبیک کہنا ہے۔ یوں اللہ کی راہ میں اپنے وقت کی قربانی دے کر آپ اپنے آپ کو ہر چیز کی قربانی دینے کے لیے تیار کر لیں گے۔ دن میں پانچ مرتبہ آپ کے اندر یہ صفت راسخ کی جاتی ہے۔ جمعہ کے دن کے لیے آپ کو ہدایت ہے کہ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ۚ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الجمعہ ۶۲:۹) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن، تو اللہ

کے ذکر کی طرف دوڑ واور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو‘‘۔

دولت اور متاعِ دُنیوی

آپ کا زیادہ وقت دولت کمانے یا دولت کے ذریعے سے متاعِ دُنیوی حاصل کرنے میں گزرتا ہے۔ اُن کی طلب اور اُن کی محبت ہماری فطرت میں رچی بسی ہوئی ہے۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ (اٰل عمران ۳:۱۴) ’’لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس: عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آیند بنادی گئی ہیں‘‘۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ متاعِ دُنیا سے رغبت ومحبت کوئی مذموم بات ہے، نہ غلط بات ہے، نہ بدی۔ یہ دُنیا برائیوں کی پوٹ نہیں' اس طرح کی باتیں قرآن کی تعلیمات میں نہیں ملتیں۔ قرآن میں مال ودولت کو گھٹیا اور حقیر چیز نہیں قرار دیا گیا ہے' خیر' کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اور یہ بالکل معقول بات ہے، کیوں کہ اللہ کی راہ اور اُخروی نعمتوں کا راستہ اسی دُنیا سے گزرتا ہے۔ اگر ہم اس دُنیا کو اپنے اوپر حرام کرلیں تو کوئی چیز ایسی نہیں بچتی جس کی مدد سے ہم آخرت کے انمول خزانے حاصل کرسکیں۔ چناں چہ یقینی طور پر یہی دُنیا وہ واحد وسیلہ ہے جس کی بنا پر ہم اللہ کی رضا اور اگلی دُنیا کی مسرتیں حاصل کرسکتے ہیں۔

جو چیز اس دُنیا کو برائی اور شر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس بات کو فراموش کردیں کہ یہ سب کچھ ہماری صوابدید پر صرف اسی دُنیا کی زندگی کے لیے دیا گیا ہے۔ یہ اُس حقیقی اور ابدی نصب العین کے حصول کا ایک وسیلہ ہے، جو اِس دُنیا و مافیہا سے بہتر چیز ہے۔ جب ذریعہ منزل بن جائے تو وہ ہمیں حقیقی قدروقیمت والی چیز سے بھٹکا کر مصائب وآلام میں مبتلا کردیتا ہے۔ اوپر جس قرآنی آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ آگے چل کر کہتی ہے:

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ○ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ (اٰل عمرٰن ۳:۱۴-۱۵)، یہ سب دُنیا کی چندروزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا

ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ کہو: میں تمھیں بتاؤں کہ ان سے اچھی کیا چیز ہے؟ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں انھیں ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوگی، پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے۔

دُنیاوی مال ومتاع کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جب حقیقی فیصلے کا وقت آتا ہے تو اچھے اچھے ڈانوا ڈول اور ناکام ہو جاتے ہیں۔ چند چیزیں یاد رکھنے کی ہیں جو یہ دشوار قربانیاں دینے میں آپ کی مدد کریں گی:

اوّل: کوئی چیز آپ کی اپنی ملکیت نہیں، ہر چیز کا مالک اللہ ہے۔ جب آپ اللہ کی راہ میں کوئی چیز قربان کرتے ہیں تو آپ وہ چیز اُس کے اصل مالک کو محض لوٹا رہے ہوتے ہیں۔

دوم: آپ کے دُنیاوی مال ومتاع کی خواہ کتنی ہی قدر و قیمت کیوں نہ ہو، آپ کے آخری سانس کے ساتھ ہی آپ کے لیے اُس کی قیمت صفر ہو جائے گی:

مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ (النحل ۱۶:۹۶)، جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ○ اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ (الکہف ۱۸:۴۵-۴۶)، اور اے نبیؐ، انھیں حیاتِ دُنیا کی حقیقت اس مثال سے سمجھاؤ کہ آج ہم نے آسمان سے پانی برسا دیا تو زمین کی پود خوب گھنی ہوگئی، اور کل وہی نباتات بھس بن کر رہ گئی جسے ہوائیں اُڑائے لیے پھرتی ہیں۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ مال اور یہ اولاد محض دُنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرایش ہے۔

سوم: صرف اللہ کی راہ میں خرچ کر کے ہی آپ اس کا کئی گُنا زیادہ واپس حاصل کر سکتے ہیں:

وَاَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرًا وَّاَعۡظَمَ اَجۡرًا ؕ (المزمل ۷۳:۲۰)، اللہ کو اچھا قرض دیتے

رہو۔ جو کچھ بھلائی تُم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے، وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۝ (البقرہ ۲:۲۶۱)، جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، اُن کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اُس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سَو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔

ذرا ایک لمحے کے لیے سوچیے: اسلام سے آپ کی وابستگی کے دعوے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے اگر آپ اپنے نصب العین کے بجاے فضول قسم کی لطف اندوزی، مثلاً تمباکو نوشی اور پان پر زیادہ رقم خرچ کریں۔ اللہ کے وعدے پر آپ کے ایمان کی کیا حیثیت ہوگی اگر اس دُنیا میں حصولِ منفعت کی ہلکی سی اُمید پر بھی آپ اپنی ساری بچت کی سرمایہ کاری کر گزریں، مگر، کم از کم سات سَو گُنا نفع کا وعدہ، جو کبھی واپس نہیں لیا جائے گا، آپ کو اپنے بٹوے کا مُنھ کھولنے پر مجبُور نہ کرے۔ آپ حساب لگا سکتے ہیں کہ اپنی دولت کا جتنا حصّہ آپ اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں اُس کی روشنی میں اسلام کو آپ کی زندگی میں کیا مقام حاصل ہے۔

دولت کی قربانی دینا کبھی بھی آسان کام نہیں رہا۔ مگر ہمارا زمانہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں بہتر معیارِ زندگی، عیش وعشرت پسندی، اسراف، اور مادّیت پرستی زندگی کا واحد مقصد بن کر رہ گئے ہیں۔ لہٰذا آپ کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں اس معاملے میں آپ کو ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

زندگی

ایک وقت ایسا آئے گا جب اللہ کی راہ میں آپ کو اپنی جان قربان کر دینے کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔ اپنی جان کی قربانی پیش کر دینا شہادت دینے کا بلند ترین عمل ہے، ایسی صورت میں آپ شہید کہے جانے کے حق دار قرار پاتے ہیں۔ زندگی آپ کی سب سے قیمتی متاع ہے۔ اس کی قربانی دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے وہ سب چیزیں قربان کر دیں جو زندگی آپ کو عطا کرتی

ہے یا عطا کرسکتی ہے، وہ تمام مادّی اور غیر مادّی چیزیں جن کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔

جوں ہی آپ کو اس حقیقت کا احساس ہوگا کہ اپنی زندگی کے مالک آپ نہیں ہیں بلکہ اللہ ہے تو آپ یقیناً اُس کی راہ میں اپنی زندگی نثار کردینے پر آمادہ وتیار ہوجائیں گے۔ آپ اُس کی امانت اُس کے حضور پیش کردیں گے۔ یہ بات بھی آپ کے ذہن نشین رہنی چاہیے کہ موت سے آپ کو مفر نہیں ہے، وہ اپنے مقررہ وقت پر، مقررہ جگہ پر اور مقررہ طریقے سے آکر رہے گی۔ (اٰل عمران ۳:۱۸۵، ۱۴۴-۱۴۵، ۱۵۴-۱۵۶، النساء ۴:۷۸)۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں وہ اپنے لیے، اپنی قوم کے لیے اور اپنے نصب العین کے لیے حیاتِ ابدی حاصل کرلیتے ہیں۔ یہ عمل اُن کی موت کو افضل و اشرف موت بنادیتا ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَo (البقرہ ۲:۱۵۴) ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، اُنھیں مُردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمھیں اُن کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا''۔

حُبِّ دُنیا نہ ہو، خوفِ مرگ نہ ہو، تب ہی آپ کو وہ استقامت حاصل ہوگی جو زندگی قربان کرنے کے لیے ضروری ہے۔ مخالف قوتوں پر آپ صرف اُسی صورت میں غلبہ حاصل کرسکتے ہیں جب جان دینے پر آمادہ ہوں۔ کامیابی کا دروازہ بس اسی طرح کھلے گا۔ مرکر آپ زندگی پالیتے ہیں، اپنے لیے بھی اور اپنی قوم کے لیے بھی۔ شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے۔ جب تک آپ جان دینے کے لیے تیار نہ ہوں تب تک آپ زندہ رہنے کے حق سے محروم رہیں گے، بالخصوص بحیثیتِ قوم۔ ایسا نہیں ہے کہ ہم میں سے ہر فرد کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے پکارا جائے گا، مگر آرزوے شہادت کی آگ ہر دِل میں بھڑکنی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جو اللہ کی راہ میں جہاد نہ کرے یا اس کی آرزو بھی نہ رکھے وہ منافق کی موت مرے گا'' (مسلم)۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ: ''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے یہ محبُوب ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں، اور پھر زندہ کیا جاؤں، اور پھر اللہ کی راہ میں مارا جاؤں'' (بخاری، مسلم)۔ (جاری)

اقامت دین فرض ہے!

احمد اقبال قاسمی★

اقامتِ دین تمام فقہاے اسلام کے نزدیک متفقہ اور مسلّمہ فریضہ ہے۔ اس میں اختلاف اور تفرقہ حرام ہے۔ جس طرح دین کی تبلیغ، ہماری ذمہ داری ہے، دین کے احکامات پر انفرادی اور اجتماعی طور پر عمل درآمد بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داریاں ہم نے ازخود نہیں لیں بلکہ ربِ کائنات جس نے ہم کو عدم سے وجود بخشا، وہ ہمارا مالک اور حقیقی ولی ہے، وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ وہ انسانی پیدایش کا مقصد بتائے اور اس کے لیے ضابطہ اور قانون بنائے۔ اس نے ہمیں انبیاؑ کا وارث قرار دیا ہے۔ اس نے انبیاؑ کی بعثت کا مقصد اقامتِ دین کو قرار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، لہٰذا یہ فریضہ اُمت مسلمہ کے سپرد کیا گیا۔ اس طرح ازخود اقامت دین ہماری زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ مقصدِ زندگی قرار دینے کے بعد یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے مقصد زندگی کا صحیح شعور حاصل کریں اور اس کے مطابق اپنے اندر مطلوبہ اخلاق، اوصاف اور استعداد پیدا کریں۔

اقامت دین کی فرضیت سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے قرآن حکیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ جو درحقیقت ایک ہی چیز کے دو عنوان ہیں، کا جائزہ لینا ہوگا۔ فرق صرف علم اور عمل کا ہے۔ قرآن اللہ کے دین کو علمی صورت میں پیش کرتا ہے اور اسوۂ وسیرت اس کو عملی شکل میں ظاہر کرتے ہیں۔ فقہ میں دونوں کو کتاب وسنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام اور تابعین اور تاریخِ اسلام کے بزرگوں کی سیرت وخدمات اور قربانیوں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

دین کسے کہتے ہیں؟

قرآن حکیم کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۴۰ سورتوں میں دین کا ذکر آیا ہے۔ تفصیل یہ ہے: ان آیات میں دین کو دین اللّٰہ دو جگہوں پر کہا گیا: الدین الحق پانچ جگہوں پر، یوم الدین ۱۳ جگہوں پر، الدین القیم تین مرتبہ آیا۔ دین القیمہ دو جگہوں پر، مخلصین له الدین چھے مقامات پر، مخلصا له الدین تین جگہوں پر، اخلصوا دینھم ، النساء میں اتخذوا دینکم ھذوا و لعبا، المائدہ میں اتخذو دینھم لھوا، الانعام میں اتخذوا دینھم لھوا، الاعراف میں ایک ایک مرتبہ آیا ہے۔ مجموعی طور پر ۹۴ مرتبہ لفظ دین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اہم رکن اسلام صلوٰۃ (نماز) کا بھی قرآن شریف میں ۹۴ مرتبہ ذکر آیا ہے۔

اقامتِ دین کی فرضیت

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (البقرہ ۲:۳۰) ”پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں“۔ فرشتوں سے کلام اور جنت میں قیام کے بعد یہ مرحلہ آتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو حکم ہوتا ہے: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ○ (البقرہ ۲:۳۸) ”ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمھارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔ اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے“۔ ان آیات سے سب سے اہم حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ آسمان اور زمین اور ساری کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ رب العالمین کا ہے۔ وہی خالق اور وہی حاکم ہے۔ دوسرے یہ کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ کے ذمہ دار اس کے نائب انبیا علیہم السلام ہیں۔ حضرت آدمؑ سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے انبیاؑ خلافتِ الٰہیہ کے منصب پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں منتخب فرمایا تھا اور ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہوا کہ نبوت کا سلسلہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا تو اب خلافت رسولؐ کا سلسلہ اس کے قائم مقام ہوا، اور اس کے خلیفہ کا تقرر ملت کے انتخاب سے قرار پایا۔

اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جو فریضہ انبیاؑ اور رسولؐ کے سپرد ہوا تھا وہ اُمت محمدیہؐ کے سپرد کر دیا گیا۔ یہی اس اُمت کی وجہ امتیاز ہے۔ کارِ نبوت کی ذمہ داری پوری اُمت پر عائد کی گئی۔

فرشتوں کے مکالمے سے حضرت آدمؑ کے فائق اور برتر ہونے کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی کہ حضرت آدمؑ کو معلم کا درجہ دیا گیا اور فرشتوں کو طالب علم کا۔ عبودیت مخلوق کی صفت ہے، خالق کی نہیں۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ علم کی وجہ سے آدمؑ خلافت کے مستحق ہوئے، جب کہ فرشتے اہل نہ تھے۔ (معارف القرآن، مفتی محمد شفیع)

ان آیات سے مقصدِ تخلیقِ آدم اور نسلِ انسانی کی کائنات میں حیثیت اور اس کے صحیح مقام کا علم حاصل ہوا، انسان محکوم ہے حاکم اور خودمختار نہیں۔ حدود اللہ کے دائرے میں رہتے ہوئے اسے محدود اختیارات حاصل ہیں۔ خلافت الٰہیہ کے تقاضوں کی تکمیل اس کا مقصد زندگی ہے۔

فریضہ اقامت دین کی بحث میں ہمیں سب سے زیادہ رہنمائی سورۂ شوریٰ میں ملتی ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (الشوریٰ ۴۲:۱۳) ''اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے اے محمدؐ اب تمھاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ''۔ اس آیت کریمہ سے فریضہ اقامت دین کا قرآنی حکم عبارۃ النص (آیت کا مقصود) سے براہِ راست ثابت ہے، یعنی یہ آیت اسی مقصد کے بیان کے لیے نازل ہوئی ہے۔ قرآن کی یہ آیات مکی دور میں نازل ہوئی تھیں۔

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں کہ اقامت دین فرض ہے اور اس میں تفریق حرام ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ: ''اس آیت میں دو حکم مذکور ہیں۔ ایک، اقامت دین۔ دوسرے، اس کا منفی پہلو، یعنی اس میں تفرق کی ممانعت، جب کہ جمہور مفسرین کے نزدیک اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ میں حرف اَنْ تفسیر کے لیے ہے تو دین کے معنی متعین ہو گئے کہ مراد وہی دین ہے جو سب انبیاؑ میں مشترک چلا آ رہا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ

دین مشترک بین الانبیا اصول عقائد، یعنی توحید، رسالت، آخرت پر ایمان، اور عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی پابندی ہے، نیز چوری، ڈاکا، زنا، جھوٹ، فریب، دوسروں کو بلاوجہ شرعی ایذا دینے وغیرہ اور عہد شکنی کی حرمت ہے جو سب ادیانِ سماویہ میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں''۔ (معارف القرآن، ج ۷، ص ۶۷۸)

مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے صاف طور پر بتلا دیا کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ عقائد اور اصول دین میں تمام متفق رہے ہیں۔ سب انبیا اور ان کی اُمتوں کو حکم ہوا ہے کہ دین الٰہی کو اپنے قول و فعل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح تفریق یا اختلاف کو روا نہ رکھیں۔

مولانا مودودی نے سورۂ شوریٰ کی اس آیت کی تفہیم انتہائی بلیغ اور مدلل انداز میں پیش کی ہے اور دیگر حوالے بھی دیے ہیں۔ انھوں نے آیت کے پہلے لفظ شَرَعَ لَکُمْ سے اصطلاحی طور پر ضابطہ اور قاعدہ مقرر کرنا بتایا۔ شرع اور شریعت سے قانون اور شارع کو واضعِ قانون کے ہم معنی قرار دیا۔ پھر اپنے اس اہم ترین استدلال کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ تشریع خداوندی فطری اور منطقی نتیجہ ہے اس بڑی حقیقت کا کہ اللہ ہی کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے اور وہی انسان کا حقیقی ولی ہے۔ اس طرح وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ انسان کے لیے قانون اور ضابطے وضع کرے (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۴۸۷)۔ اس آسان استدلال سے مغرب کے تمام باطل اور مادی فلسفوں کی خوب صورت طریقے سے تردید ہو جاتی ہے۔ مغرب کا کلمہ لا الٰہ الا انسان ہے، جب کہ اسلام کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ مغرب کے مطابق قانون سازی کا اختیار انسان اور جمہور کو ہے، جب کہ قرآن کے مطابق یہ حق صرف اور صرف اللہ کو حاصل ہے۔

اقامتِ دین کی اصطلاح

فقہاے اسلام نے سورۂ شوریٰ کی آیت اَقِیْمُوا الدِّیْنَ سے اخذ کرتے ہوئے اقامت دین کا اصطلاح کے طور پر استعمال شروع کیا ہے۔ جب توریت نازل ہوئی تھی تو توریت کی اقامت کا نام اقامت دین تھا، اور جب انجیل نازل ہوئی تو اُس کی اقامت بھی اقامتِ دین تھا، اور اب قیامت تک قرآن کی اقامت کا نام بھی اقامتِ دین ہے۔ خود قرآن نے اہلِ کتاب کے بارے میں کہا ہے:

وَ لَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ ط (المائدہ ۵:۶۶) ''اور اگر وہ توریت اور انجیل اور جو کچھ اُن پر اُن کے رب کے طرف سے نازل ہوا اُسے قائم رکھتے تو رزق اُن کے اُوپر سے برستا اور نیچے سے اُبلتا''۔

پھر اسی سورہ میں آگے آیت ۶۸ میں اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے جو بات کہی گئی ہے اس پر غور کیجیے کہ یہ خطاب اُنھی کے لیے نہیں بلکہ ہمارے لیے بھی کتنا اہم ہے: قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ط (المائدہ ۵:۶۸) ''کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ توریت اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو، تمھاری طرف جو تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں''۔

ہمارے مفسرین نے لکھا ہے: وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ سے مراد قرآن شریف ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک تم توریت انجیل اور قرآن کی اقامت نہ کرو گے اُس وقت تک تم دینی و مذہبی لحاظ سے کچھ نہیں ہو۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو شخص بھی اللہ کی کتاب پر ایمان کا مدعی ہے اس پر اس کتاب کی اقامت فرض ہے، اور اب قیامت تک اقامتِ قرآن ہی کا نام 'اقامتِ دین' ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت عزیمت میں حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریۂ خلافت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کلیة الکلیات (اصل الاصول) وہ حقیقت ہے جس کا عنوان 'اقامتِ دین' ہے۔ غرض یہ ہے کہ اقامت دین ایک جامع اصطلاح ہے اور ان تمام احکامِ قرآنی پر حاوی ہے جو مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ سے متعلّق ہے۔

حضرت شاہ ولیؒ اللہ نے اپنے ترجمۂ قرآن فتح الرحمٰن میں من الدین کا ترجمہ 'از آئین' فرمایا ہے۔ مولانا مودودیؒ اس ترجمے سے استفادہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو تشریح فرمائی ہے اس کی نوعیت آئین کی ہے۔ اس توجیہ سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ آیت میں دین کے معنی ہی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مان کر اس کے احکامات کی اطاعت کرنے کے ہیں، اور یہ کہ وہ خالق و مالک ہونے کی بنا پر واجب الاتباع ہے۔ اس کے حکم اور قانون کی پیروی نہ کرنا بغاوت اور بندگی سے انکار کے مترادف ہے۔

مولانا مودودیؒ نے دین کے مفہوم اور اقامتِ دین کو بڑی شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے۔ معاشرے میں سہل پسندی اور بے عملی کے رجحان پر تنقید کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: اقامت دین کا مقصد صرف تبلیغ دین سے پورا نہیں ہوتا، بلکہ دین کے احکامات پر کماحقہٗ عمل درآمد کرنا، اسے رواج دینا اور عملاً نافذ کرنا اقامت دین ہے۔ مزید وضاحت کے لیے لکھتے ہیں: دین مشترک بین الانبیا سے صرف ایمانیات عقائد اور چند بڑے بڑے اخلاقی اصول ہی مراد نہیں ہیں، بلکہ اس سے تمام ہی شرعی احکام مراد ہیں۔ دلیل کے طور پر مولانا نے قرآن حکیم کی وہ آیات پیش کی ہیں جن میں ان احکام کو واضح اور صریح طور پر دین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ذیل میں وہ آیات درج ہیں:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ (البینہ ۹۸:۵)، اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے، بالکل یک سو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ط اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (المائدہ ۵:۳)، تم پر حرام کیا گیا مُردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو۔ یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ سوائے اُس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کرلیا۔ اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمھارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعے سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب افعال فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمھارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل

کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سب احکام شریعت دین ہی کا حصّہ ہیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ (النور ۲:۲۴)، زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو ۱۰۰، ۱۰۰ کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں دامن گیر نہ ہو۔

اس آیت میں قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ یہاں فوجداری قانون کو دین اللہ فرمایا گیا ہے۔ معلوم ہوا صرف عبادت ہی دین نہیں ہے، مملکت کا قانون بھی دین ہے۔ (تفہیم القرآن)

ان تفصیلات کے بعد ان آیاتِ ربانی پر غور کرتے ہیں جن سے اصولِ فقہ کی روشنی میں اقامتِ دین کا فرض ہونا اور منشاے الٰہی کا مقصود ہونا دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے۔ مولانا محمد اسحاق ندوی اپنی کتاب اسلام کے سیاسی نظام میں دینی حکومت کے قیام کے لیے سورۂ نساء کی آیت: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحبِ امر ہوں۔ النساء۴:۵۹) سے اقامتِ دین کا فرض ہونا اقتضاء النص سے ثابت کیا ہے۔ اس آیت میں صاحبِ امر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جس پر عمل اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب صاحبِ امر موجود ہو۔ اب اسے وجود میں لانا بالفاظِ دیگر اقامت دین کے نظم کو قائم کرنا نص کا منشا اور مقتضا ہے۔

اسی طرح سورۂ انفال کی آیت: وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ (اور تم لوگ جہاں تک تمھارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ ان کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعدا کو خوف زدہ کردو جنھیں تم نہیں جانتے۔ الانفال ۸:۶۰) میں ہمیں حکم دیا جاتا ہے کہ ہم اپنی قدرت کی حد تک دشمنانِ دین کے مقابلے کے

لیے قوت فراہم کریں۔ تنظیم، افراد اور نظم حکومت کا قیام بالفاظ دیگر نصب امامت خود قوت کا ایک حصّہ ہے، بلکہ اس نوعیت کی کل قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس آیت سے امام کے تقرر کی فرضیت اسی طرح ثابت ہوتی ہے جس طرح جنگ کے لیے اسلحہ مہیا کرنے کی فرضیت۔

سورۂ توبہ کی آیت: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ۝ (جنگ کرو اہلِ کتاب کے ان لوگوں سے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔ التوبہ ۹:۲۹) سے اقامتِ دین اور دینی نظام کے قیام کی فرضیت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔ آیت کریمہ اہلِ اسلام کو قتال کا حکم دیتی ہے اور اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم دیتی ہے تا آنکہ اہلِ باطل کو مغلوب کر کے ان سے جزیہ وصول کیا جائے اور انھیں چھوٹا بنا کر رکھا جائے۔ ظاہر ہے کہ ان احکامات کو پورا کرنا دینی حکومت اور اقامتِ نظم دین کے بعد ہی ممکن ہے۔

سورۂ مائدہ کے ساتویں رکوع میں فرمایا:

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ (مائدہ ۵:۴۵)، جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ (مائدہ ۵:۴۷)، اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمام معاملات میں ما انزل اللّٰہ کے مطابق فیصلے نہ کرنے والے کافر، ظالم اور فاسق ہیں، اور اقامتِ دین حکومت و عدالت کی کرسیوں پر اسی طرح ضروری اور لازم ہے جس طرح اقامتِ صلوٰۃ کے لیے اوقات کے لحاظ سے ادائیگی نماز اور مسجد کی تعمیر اور اُس کا انتظام۔ اور یہ کہ یہ سب فرائض اقامتِ دین کا حصّہ ہیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ ط وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo (اٰل عمرن ۳:۱۰۴) ، اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ (دوسروں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کریں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (اٰل عمرن ۳:۱۱۰) ، اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان دونوں آیتوں میں یامرون اور تامرون کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، یعنی حکم دیتے ہو۔ یبلغون اور و تبلغون نہیں فرمایا گیا۔ گویا صرف پہنچا دینا اور تبلیغ کرنا کافی نہیں ہے بلکہ ربِ کائنات کا ئنات احکم الحاکمین کے دینی نظام کو قوت سے نافذ کرنا مقصود ہے۔

مولانا ابوالحسن ندوی اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش میں اس آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس اُمت کی جگہ قافلے کے پیچھے اور حاشیہ برداروں کی صف میں ہو اور وہ دوسری اقوام کے سہارے زندہ رہے، اور قیادت و رہنمائی، امرونہی اور دینی وفکری آزادی کے بجائے تقلید اور نقل، اطاعت و سپر اندازی پر راضی اور مطمئن ہو''۔ اس مضمون کی دوسری آیات آل عمران (۳:۱۱۴)، الاعراف (۷:۱۶۷)، التوبہ (۹:۷۱)، الحج (۲۲:۱۴۱)، لقمان (۳۱:۱۷) ہیں۔

سورۂ توبہ کی آیت هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدیت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پورے جنس دین پر غالب کردے۔ ۹:۳۳) سے اقامتِ دین کی فرضیت اور غلبۂ دین دلالت النص سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ آیت قرآن شریف میں تین جگہوں پر آئی ہے: سورۂ توبہ کی ۳۳ اور سورۂ صف کی آیت کا آخری ٹکڑا وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ہے، اور سورۂ فتح میں آیت کا آخری حصہ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ہے۔ پہلی دونوں آیتوں میں یہ بات کہی گئی ہے کہ دین حق کا غلبہ مخالفین کو خواہ کتنا ہی بُرا لگے ہم نے اپنے رسول کو اسی مقصد کے لیے بھیجا ہے، اور سورۂ فتح کا

آخری حصّہ بتاتا ہے کہ بعثت محمدیؐ کی اس غرض و غایت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ اب اگر تمام دنیا مل کر بھی یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ نہیں تھا، اُس کی بات قابلِ سماعت نہ ہوگی۔

مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں بعثت رسولؐ کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ جس ہدایت اور دین حق کو وہ خدا کی طرف سے لایا ہے اسے دین کی نوعیت رکھنے والے طریقوں اور قاعدوں پر غالب کردے۔ دوسرے الفاظ میں رسولؐ کی بعثت کبھی اس غرض کے لیے نہیں ہوئی کہ جو نظامِ زندگی لے کر وہ آیا ہے وہ کسی دوسرے نظامِ زندگی کا تابع اور اس سے مغلوب بن کر اور اس کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجایشوں میں سمٹ کر رہے، بلکہ وہ بادشاہِ ارض وسما کا نمایندہ بن کر آتا ہے اور اپنے بادشاہ کے نظامِ حق کو غالب دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا نظامِ زندگی دنیا میں رہے بھی تو اسے خدائی نظام کی بخشی ہوئی گنجایشوں میں سمٹ کر رہنا چاہیے جیسا کہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں ذمیوں کا نظامِ زندگی رہتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۲ص۱۹۰)

حضوؐر کے اس مقصد بعثت کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب حجة اللّٰہ البالغه اور ازلة الخفا میں متعدد مقامات پر پیش کیا ہے۔ اسی آیت پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے: ''جان لینا چاہیے کہ اس آیت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ ہر غلبہ جو دین حق کو حاصل ہوا وہ سب کا سب لیظھرہ علی الدین کلّه میں داخل ہے، اور وہ عظیم الشان غلبہ، جو کسریٰ وقیصر کی حکومتوں کو درہم برہم کردینے کی شکل میں حاصل ہوا بدرجہ اولیٰ اس کلمے میں داخل ہے، اور اس بڑے درجہ ومرتبہ کے علَم بردار خلفاے راشدین تھے۔ ان بزرگوں کی کوششیں آنحضرتؐ کی بعثت کے مقتضا میں داخل تھیں۔ (اقامتِ دین، سیداحمد عروج قادری)

شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب حجة اللّٰہ البالغه میں مختلف عنوانات کے تحت بار بار یہ حقیقت دہرائی ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاے کرام کو اقامت دین ہی کے لیے مبعوث فرماتا رہا ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی لیے مبعوث فرمایا تھا کہ وہ دین کو قائم کریں اور اُسے دوسرے ادیان باطل پر غالب کریں۔ گویا غلبۂ دین کے لیے اجتماعی جدوجہد اور قیامِ جماعت لازمی ہے۔

غلبۂ دین اور اُمت محمدیہؐ کی ذمہ داری

شاہ ولی اللہ 'الجہاد' کے تحت لکھتے ہیں: جان لو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خلافتِ عامہ کے ساتھ

مبعوث ہوئے تھے اور آپ نے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دینا تھا اور یہ کام جہاد اور آلاتِ جہاد تیار کرنے سے ہی ہوسکتا ہے۔ اگر جہاد کو لوگ چھوڑ دیں اور بیل کی دموں کے پیچھے لگ جائیں (یعنی حصولِ معاش میں لگ کر جہاد سے غافل ہوجائیں) تو ذلت ان کو گھیر لے گی اور دوسرے ادیان والے ان پر غالب آ جائیں گے۔

شاہ صاحب جہاد کی فضیلت کے بارے میں بہت سی حدیثوں کو پیش کرتے ہیں:

قال رسولؐ مثل المجاھد فی سبیل اللّٰہ کمثل القانت الصائم (اطراف المسند المعتلی)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ شب بیدار اور روزہ دار کی مثال ہے۔

وقال رسولؐ من احتبس فرساً فی سبیل اللّٰہ ایماناً باللّٰہ وتصدیقاً بوعدہ فان شبعہ وریہ و روثہ وبولہ فی میزانہ یوم القیامۃ (السنن الکبریٰ للبیہقی)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی راہ میں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے ایک گھوڑا باندھا اور اُس کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اس کو پانی پلایا اور قیامت کے دن اس کا چارا، لید اور پیشاب اس کی نیکیوں میں یہ سب تولے جائیں گے۔

قال رسولؐ ان اللّٰہ یدخل بسھم الواحد ثلاثۃ نفر فی الجنۃ صانعہ یحتسب فی صنعہ والرامی بہ ومنبلہ (سنن نسائی)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین افراد کو جنت میں داخل کرے گا۔ ایک بنانے والے کو جو اس کی صنعت میں ثواب چاہتا ہے اور چلانے والے اور تیر دینے والے کو۔

وقال رسولؐ من رمٰی بسھم فی سبیل اللّٰہ فھو لہ عدل محرر (سنن نسائی)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کی راہ میں ایک تیر چلائے گا اُس کو غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

جب اقامتِ دین اور اعلاے کلمۃ اللہ کے سلسلے میں ایسے چھوٹے کام کا ثواب جنت ہے تو بڑی خدمات کے ثواب کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔

اقامت قرآن کے لیے اسلامی حکومت کا قیام

اقامتِ قرآن کے لیے اسلامی حکومت (حکومتِ الٰہیہ) کا قیام لازمی ہے۔ قرآنی آیات احکام پر عمل صرف اسلامی حکومت کے ذریعے سے ہی کیا جاسکتا ہے:

وَالسَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ (المائدہ ۵:۳۸)، چور خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (المائدہ ۵:۹۰)، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو۔ اُمید ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہوگی۔

عہد صحابہؓ سے شراب پینے کی سزا ۸۰ کوڑے تھی۔ یہی مسلک امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک شراب نوشی کی حد ۴۰ کوڑے ہے۔ ان حدود کا اجرا صرف حکومت کا کام ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا (النور ۲۴:۴)، اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو ۸۰ کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (البقرہ ۲:۲۷۵)، اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

قرآن حکیم میں قتال فی سبیل اللہ کے لیے گیارہ آیات اور جہاد کے لیے ۲۶ آیات آئی ہیں۔ اسی طرح حدود اللہ کے اجرا کے لیے متعدد قرآنی آیات ہیں۔ اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان قرآنی آیات پر اسلامی حکومت ہی کے ذریعے سے عمل ہوسکتا ہے اور اسلامی حکومت کی عدم موجودگی کی صورت میں انفرادی طور پر ان پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے تمام نصوصِ قرآنی سے بطور اقتضا اسلامی حکومت کے قیام کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور مسلم معاشرے کے تمام افراد پر

اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنا حدِ استطاعت تک فرض ہے اور استطاعت کے باوجود اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوششیں نہ کرنا ویسے ہی گناہ اور معصیت ہے، جیسے صاحبِ استطاعت مسلمان پر روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج فرض ہے اور ان فرائض کا ترک کرنا عاقبت کو برباد کرنا ہے۔

شہادتِ حق اور اس کے تقاضے

قرآن حکیم میں مسلمانوں کی ایک بہت اہم اور بڑی ذمہ داری یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوں اور شہادتِ حق کی حجت پوری کریں۔ فرمایا گیا: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ ۲:۱۴۳)، ''اور اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک اُمت وسط بنایا تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو''۔ اس فقرے سے مراد یہ ہے کہ حشر کے دن جب حساب لیا جائے گا اُس وقت رسول ہمارے نمایندے ہوکر تم پر گواہی دیں گے کہ صحیح فکروعمل نظامِ عدل اور دین حق کی جو تعلیم انھیں اللہ سے ملتی تھی رسولؐ نے اس کو پوری طرح قولاً وفعلاً پہنچا دیا، اور اس کے بعد رسولؐ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے اُمت محمدیہؐ نے اسے عام لوگوں تک پہنچانے میں اپنی صلاحیت اور قوت کی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اُمت محمدیہؐ کا منجانب اللہ گواہی کے منصب پر مامور ہونا درحقیقت اُس کو امامت اور پیشوائی کا مقام عطا کیا جانا ہے۔ پھر آگے جو بیان تحویل قبلہ اور اتمامِ نعمت کا آیا ہے، اس سے یہ حقیقت واضح ہورہی ہے کہ بنی اسرائیل کو جو منصب امامت حاصل تھا وہ ختم ہوا اور اب امامتِ اُمم (اُمتوں کی امامت) کا منصب اُمت محمدیہؐ کو تفویض ہو رہا ہے۔ سورۂ بقرہ کی اس آیت کے بعد سورۂ حج میں یہ بات ایک نئے انداز سے دہرائی گئی ہے:

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (الحج ۲۲:۷۸)، اللہ نے پہلے بھی تمھارا نام مسلم رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی تمھارا یہی نام ہے تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو۔

اس تفصیل کے بعد منصب امامت و ہدایت اور اقامت دین کی اصل غرض سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں تین آیات بڑی اہمیّت کی حامل ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ○ (النساء ۴:۱۳۵)، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علَم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریقِ معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیرخواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچّائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

اسی مضمون کو سورۂ مائدہ میں ایک دوسرے تقاضے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے:

كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (المائدہ ۵:۸)، اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ اللہ کی خوشنودی کے لیے گواہی دینے والے بنو، اگرچہ تمھارے اپنے نفس کے یا اعزہ واقربا کے خلاف گواہی ہورہی ہو۔ دوسری آیت میں یہ بتایا گیا کہ کسی سے دشمنی تمھیں حق کی گواہی سے منحرف کرنے کا سبب نہ ہو۔ غرض محبت وعداوت دونوں ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو عدل و راستی کی راہ سے ہٹا کر ظلم میں مبتلا کردیتی ہیں۔ کونوا قوامین بالقسط اور قوامین للّٰہ کو تاکید سے پیش کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ عدل وانصاف اور او امر اللّٰہ پر ہر وقت اور ہر حال میں قائم رہنا ضروری ہے۔ دوستی دشمنی تمھیں راہِ حق سے منحرف نہ کرے۔

اس ضمن میں تیسری آیت درج ذیل ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید ۵۷:۲۵)، ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب، اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں، اور لوہا اُتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں۔

پہلی دو آیات میں خطاب مومنین سے تھا۔ سورۂ حدید کی آیت سے خطاب کا دائرہ وسیع ہوگیا اور لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ کہہ کر پورے انسانی معاشرے اور اس کے پورے نظام کو عدل پر قائم رکھنے کی بات کی گئی۔ اور یہ اعلان سامنے آیا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب کی بعثت اور آسمانی کتابوں کا سارا نظام انصاف اور عدل ہی پر قائم کرنے کے لیے وجود میں لایا گیا۔ حضورؐ کے بعد اس نظام کے قیام کی ذمہ داری اُمت محمدیہؐ کے اُوپر ڈالی گئی۔ اسی ذمہ داری کو قرآن نے شہادتِ حق سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ کہ لوہے کو نازل کیا جس میں بڑی طاقت اور منافع ہیں۔ یہ بات خود بخود اس عمل کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس سے مراد سیاسی اور جنگی طاقت ہے۔ رسولوں کو قیامِ عدل اور اقامتِ دین کی محض اسکیم پیش کرنے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا بلکہ یہ بات بھی ان کے مشن میں داخل تھی کہ اس عدل کامل کو عملاً قوت سے نافذ کیا جائے اور ظالمین کو سزا دی جائے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عدلِ حقیقی اور اقامتِ دین کو اپنے قول اور فعل سے قائم کیا، اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ یہ تمام قرآنی آیات دلالۃ النص (قرآن کی آیت کا دلالت کرنا) سے اقامت دین کے فریضے کو ثابت کرتی ہیں۔

گذشتہ تفصیلات سے یہ مدعا اور مقصد وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ اقامتِ دین اولین اور اہم ترین فریضہ ہے اور اس کا مقام تمام فرائض میں جنس اعلیٰ اور کلیۃ الکلیات ہے جو دوسرے تمام فرائض پر حاوی ہے۔ یہ فریضہ نبوت کے ساتھ ہی شروع ہوا اور اقامتِ دین کی جدوجہد حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات تک جاری رہی۔ نماز جو دین اسلام کا رکن اعظم ہے معراج میں، یعنی نبوت کے گیارھویں سال فرض ہوا۔ روزہ دو ہجری اور زکوٰۃ تو مکی زندگی سے فرض تھی مگر نصاب کے

ساتھ زکوٰۃ کی فرضیت آٹھ ہجری میں ہوئی اور حج نو ہجری میں فرض ہوا مگر فریضہ اقامتِ دین آنحضرتؐ کی پوری زندگی پر محیط ہے۔

مسلمانوں کی دنیوی واُخروی سعادت اور اسلام کی دعوت، غلبہ واقتدار کا انحصار اقامتِ دین پر ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ رسالت، یعنی اظہارِ دین کا حصول بھی اقامتِ دین کے ذریعے ممکن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں پر اقامتِ دین کو فرض قرار دیا ہے تاکہ ہر دور میں اس کے ذریعے مقصدِ رسالت 'اظہارِ دین' حاصل کیا جاتا رہے۔

دیگر فرائض کا تعلّق افراد کے ذاتی اعمال سے ہے اور قیامت کے دن میدانِ حشر میں ان فرائض نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کا حساب انفرادی ہوگا، جب کہ اقامتِ دین کُلّ وقتی طریقۂ حیات ہے جو انسانی اجتماعیت پر منطبق ہوتا ہے اور انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور لمحہ اس سے خالی نہیں۔

اس ہمہ گیر احساس فرض ہی نے مسلم ہند کے لیے پاکستان بنانا ممکن ہوا۔ ۱۹۴۹ء میں آئین ساز اسمبلی نے قراردادِ مقاصد، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی حاکمیت کے اصول کو قانونی اور سیاسی طور پر تسلیم کیا۔ اس عظیم خدمت میں بڑا حصہ علامہ شبیر احمد عثمانی، مشرقی پاکستان [موجودہ بنگلہ دیش] کے مولانا اکرم خان اور لیاقت علی خان کا رہا ہے۔ بعد میں ۱۹۵۱ء میں تمام اسلامی مکاتبِ فکر کے علما نے متحدہ ومتفقہ طور پر ۲۲ رہنما اسلامی دستوری اصول مرتب فرمائے جس میں مولانا مودودی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا احترام الحق جیسے ۳۱ علما شریک تھے۔ اب یہ ہم سب کی اور بالخصوص علماے کرام اور دینی جماعتوں کی بڑی ذمہ داری ہے کہ اللہ کے دین کو پاکستان میں عملی طور پر نافذ کرنے میں اپنا کردار ادا کریں اور عنداللہ خوشنودی کے مستحق قرار پائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ رسولؐ اور اسوۂ صحابہؓ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

★ مقالہ نگار شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامیہ، جامعہ سندھ جامشورو کے سابق صدر ہیں

منفرد اسلامک ویب سائٹس برائے آڈیو وڈیو اور ٹیکسٹ

All Free Downloads

QuranUrdu.com

- پہلی مرتبہ قرآن مجید کمپیوٹر سافٹ ویئر اردو اور انگریزی ترجمہ برائے سید ابوالاعلیٰ مودودی سرچ اور کاپی پیسٹ کی سہولت کے ساتھ یونیکوڈ فارمیٹ میں۔جس سے درس تیار کرنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔
- ہائی کوالٹی آڈیو تفہیم القرآن و ترجمہ قرآن سید ابوالاعلیٰ مودودی۔
- پہلی مرتبہ احادیث کی امہات کتب یونیکوڈ فارمیٹ میں۔
- مختلف قرأت و تراجم۔
- مختلف تحریکی کتب اور پمفلٹس،۔۔۔۔۔اور بہت کچھ

TafheemOnline.com

- پہلی مرتبہ اردو یونیکوڈ میں تحریر کردہ مکمل تفہیم القرآن (سید ابو الاعلیٰ مودودی) سرچ ، کاپی اور پیسٹ کی سہولت کے ساتھ جسے آپ سن بھی سکتے ہیں اور پڑھ بھی سکتے ہیں۔جس سے درس تیار کرنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔

Daroos.com

- 500 سے زائد دروس قرآن مختلف مدرسین کی آوز میں دستیاب ہیں

QuranEnglish.com

- انگریزی تفہیم القرآن سید ابو الاعلیٰ مودودی سرچ کی سہولت کے ساتھ
- صحیح بخاری سرچ کی سہولت کے ساتھ اور بہت سی انگریزی کتب
- ہائی کوالٹی آڈیو قرآن مجید مختلف قرأت اور تراجم کے ساتھ

چند اہم سماجی مسائل اور اسلام

محمد رضی الاسلام ندوی*

گذشتہ چند صدیوں میں مختلف مغربی ممالک میں بنیادی انسانی حقوق کے پُر زور نعرے لگائے گئے اوران کے لیے زبردست تحریکیں چلائی گئیں۔ اس کے نتیجے میں مطلق العنان حکم رانوں کے لامحدود اختیارات پر قدغن لگی اور بے بس اور مجبُور انسانوں کو بہت سے وہ حقوق اور اختیارات حاصل ہوئے جن سے وہ صدیوں سے محروم تھے۔ دھیرے دھیرے عوام طاقت ور ہوتے گئے تو ان کو حاصل ہونے والے حقوق میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ان تحریکوں کے نتیجے میں آزادی، مساوات اور عدل و انصاف کے تصورات کو فروغ ملا۔ ان کے ثمرات وفوائد سے یوں تو عام انسان بہرہ ور ہوئے، لیکن خاص طور پر عورتوں کو ان کا وافر حصّہ ملا۔ وہ صدیوں سے اپنے حقوق سے محروم تھیں۔ انھیں مردوں کا محکوم اور زیرنگیں سمجھا جاتا تھا۔ ان تحریکوں نے انھیں محرومی اور جبر سے آزادی اور زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے برابر درجہ دینے اور انھی جیسا معاملہ کرنے کی وکالت کی۔

بنیادی حقوق (Fundamental Rights)، مساوی حقوق (Equal Rights) اور آزادیِ نسواں (Emancipation of women) کے نام سے برپا ہونے والی یہ تحریکیں اصلاً مغربی ماحول کی پیداوار تھیں اور کلیسا کے جبر اور عورتوں کے بارے میں مسیحی نقطۂ نظر نے اس کے لیے راہ ہموار کی تھی۔ اس لیے یہ ردِّ عمل کی نفسیات کا شکار تھیں۔ تفریط کے ردّ عمل میں افراط نے جنم لیا اور حدود و قیود سے ماوراہر طرح کی آزادی اور مرد وزن کے درمیان ہر اعتبار سے مساوات کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ ان تحریکوں کے اثرات کو مشرقی ممالک نے بھی قبول کیا اگرچہ ان کا تہذیبی وثقافتی اور تاریخی پس منظر مغربی ممالک سے مختلف اور جداگانہ تھا، لیکن وہاں بھی ان تحریکوں کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا

اور آزادی و مساوات کے ان تصورات کو کافی فروغ ملا۔

● **خاندانی شکست و ریخت اور جنسی بے راہ روی**: اخلاقی اقدار سے عاری ان تصوّرات نے یوں تو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کیا ہے، لیکن اس کا سب سے زیادہ اثر نظام خاندان پر پڑا ہے۔ اس کے نتیجے میں خاندان کا ادارہ بری طرح شکست و ریخت سے دوچار ہوا ہے۔ اباحیت اور آزاد شہوت رانی کی مختلف صورتوں کو فروغ ملا ہے، سماجی ذمہ داریوں سے فرار کا رجحان بڑھا ہے اور اخلاقی قدریں بری طرح پامال ہوئی ہیں۔

خاندان کی تشکیل مرد اور عورت کے باضابطہ جنسی تعلّق سے ہوتی ہے۔ یہ تعلّق ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریاں متعین کرتا ہے، جن کی پاس داری بہتر خطوط پر افراد خاندان کے رہن سہن اور نشو و نما کے لیے ضروری ہوتی ہے، لیکن ذمہ داریوں سے بچتے ہوئے لذّت کے حصول کے رجحان نے ضابطے کے ساتھ جنسی تعلّق کو فرسودہ قرار دیا اور بغیر نکاح آزاد جنسی رابطہ (Pre Marital Sexual Permissiveness) کو سندِ جواز عطا کی۔ یہ دلیل دی گئی کہ اگر نکاح کے بندھن میں بندھ کر کوئی مرد اور عورت ایک ساتھ زندگی گزاریں گے تو کچھ عرصہ کے بعد ناپسندیدگی یا کسی اور وجہ سے الگ ہونے میں قانونی رکاوٹیں ہوں گی، اس لیے زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ بغیر نکاح کے وہ ایک ساتھ رہیں اور جب ان کا جی بھر جائے، ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجائیں۔ جدید اصطلاح میں اسے Live in Relationship کا نام دیا گیا ہے۔ یہ طرزِ رہایش ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں مقبول ہو رہا ہے جو اعلیٰ تعلیم کے حصول یا ملازمتوں کے لیے اپنے وطن سے دُور کہیں عارضی طور پر مقیم ہوتے ہیں اور مختلف اسباب سے ابھی ان کے لیے نکاح کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وبا مغربی ملکوں میں تو پہلے سے عام تھی، ہندستان میں، جو مذہبی پس منظر رکھتا ہے، اسے عموماً ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، لیکن اب دھیرے دھیرے اس کے حق میں فضا ہموار کی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں سپریم کورٹ کے ایک فیصلے کا حوالہ دینا مناسب ہوگا۔ گذشتہ سال ۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء کو سپریم کورٹ کے تین فاضل ججوں پر مشتمل ایک بنچ نے جنوبی ہند کی مشہور اداکارہ 'خوشبو' (جس نے قبل از نکاح جنسی تعلّق کی حمایت کی تھی) کی پٹیشن پر اپنا فیصلہ محفوظ رکھتے ہوئے ان احساسات کا اظہار کیا تھا: ''اگر دو جوان (مرد اور عورت) ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں

تو اس میں جرم کیا ہے؟ یہ معاملہ جرم تک کہاں پہنچتا ہے؟ ایک ساتھ رہنا جرم نہیں ہے۔ یہ جرم ہو بھی نہیں سکتا''۔ اس سے آگے بڑھ کر فاضل ججوں نے دستور کی دفعہ ۲۱ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ حقِ حیات اور حق آزادی کے خلاف ہے، جنھیں دستور میں 'بنیادی حقوق' کی حیثیت دی گئی ہے۔

یہ تو قبل از نکاح جنسی تعلّق کا معاملہ تھا۔ بعد از نکاح جنسی آزادروی کے معاملے میں تو اس سے بھی زیادہ کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ کہا گیا کہ ہر مرد اور عورت، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، آزاد اور اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جنسی تعلّق کے لیے اس پر جبر تو قابلِ مواخذہ اور موجب تعزیر ہے، لیکن اگر دونوں باہم رضامندی سے یہ تعلّق قائم کریں تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ قانون کی کوئی کتاب یا عدلیہ کا کوئی فیصلہ اٹھا کر دیکھ لیجیے، اس میں زنا (Rape) کی تعریف یہی ملے گی: (وہ جنسی تعلّق جو کسی شخص سے بالجبر اس کی مرضی کے خلاف قائم کیا جائے۔ گویا وہ جنسی تعلّق جو بالرضا قائم ہو اس پر نہ سماج کو انگلی اٹھانے کا حق ہے، نہ قانون اس پر کوئی گرفت کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باہمی رضامندی سے جنسی تعلقات کے واقعات آئے دن میڈیا پر زیر بحث رہتے ہیں۔ جو واقعات قانون کی گرفت میں آجاتے ہیں ان کے مقابلے میں ان واقعات کی تعداد بہت زیادہ ہے جو سماج کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر انجام پاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو جنسی تعلّق باہم رضامندی سے قائم کیا جائے گا، دوسروں پر اس کا انکشاف شاذ و نادر ہی ہو پائے گا۔

● **غیر فطری جنسی رویوں کا فروغ:** آزادروی کی اس روش نے جنس کے معاملے میں متعدد منحرف اور غیر فطری رویّوں کو جنم دیا ہے۔ مرد کا مرد سے جنسی تعلّق (Homosexuality) اور عورت کی عورت سے جنسی تسکین (Lesbianism) اس سلسلے کی دو نمایاں مثالیں ہیں۔ دنیا میں ایسے انسان کروڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں جو جنسی تسکین کے ان غیر فطری طریقوں کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ان کے مطالبات سے مجبور ہو کر بہت سے مغربی ممالک، مثلاً ڈنمارک، ناروے، سویڈن، فرانس، نیدرلینڈ وغیرہ نے ان منحرف جنسی رویّوں کو باقاعدہ قانونی جواز عطا کر دیا ہے اور ہم جنسی میں مبتلا جوڑوں کو ان تمام حقوق کی ضمانت دی ہے جو روایتی شادی شدہ جوڑوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ دوسرے بہت سے ممالک اس سلسلے میں قانون کی تشکیل کے مختلف مراحل میں ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق ہندستان میں ہم جنس پرستوں کی تعداد تقریباً ۲۵ لاکھ ہے۔ اگر چہ

یہاں کے قانون میں اب تک ہم جنس پرستی کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے،لیکن اب ایسی آوازیں اٹھنے لگی ہیں کہ اسے قانونی جواز عطا کیا جائے اور ہم جنس پرستوں کے بھی روایتی شادی شدہ جوڑوں جیسے حقوق تسلیم کیے جائیں۔ چند سال سے ایک غیر سرکاری تنظیم (NGO) ناز فاؤنڈیشن دہلی اس کے حق میں تحریک چلا رہی ہے۔ چنانچہ جون ۲۰۰۹ء میں دہلی ہائی کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں ہم جنس پرستی کو قانونی جواز دیے جانے کی رائے ظاہر کی۔ فاضل ججوں نے کہا کہ برطانوی عہد کے بنے ہوئے انڈین پینل کوڈ ۱۸۶۰ء کی دفعہ ۳۷۷، جس میں ہم جنس پرستی اور تسکین جنس کے دیگر غیر فطری طریقوں کو قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے، دستور ہند کی دفعہ ۲۱ سے ٹکراتی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ ملک کے ہر باشندے کو زندگی گزارنے کے یکساں مواقع حاصل ہیں اور تمام لوگ قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ [پاکستانی معاشرے میں آزادانہ جنسی تعلقات اور ہم جنس پرستی کو ایک برائی تصور کیا جاتا ہے۔ تاہم، جنرل پرویز مشرف کے دورِحکومت میں حدود قوانین میں ترمیم کر کے مرد و خواتین کے ناجائز تعلقات کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پیپلز پارٹی کے موجودہ دورِحکومت میں 'ہم جنس پرستی' کے رجحان کو فروغ دینے کے لیے امریکی سفارت خانے میں پہلی مرتبہ ہم جنس پرستوں کی تقریب کا باقاعدہ انعقاد کیا گیا۔ ایک لبرل معاشرے کے مقابلے میں اسلام چونکہ آزاد جنسی تعلّق اور ہم جنسی پرستی کو ممنوع قرار دیتا ہے، لہٰذا لبرل اور مغربی تصورات کے فروغ میں یہ ایک بڑی 'رکاوٹ' ہے۔ تاہم، لبرل اور سیکولر عناصر اپنے آلۂ کار حکمرانوں اور میڈیا کے ذریعے اس سوچ کو آگے بڑھانے کے لیے کوشاں ہیں۔]

● **قائم مقام ماں (Surrogate Mother)**: آزادی اور افادیت کے تصورات نے ایک اور سماجی مسئلے کو جنم دیا ہے، جسے قائم مقام مادریت (Surrogate Motherhood) کا نام دیا گیا ہے۔ کہا گیا کہ عورت اپنی مرضی کی مالک ہے اور اپنے اعضائے جسم کی بھی۔ اس لیے اگر وہ چاہے تو اپنے رحم (Uterus) کو کرایے پر اٹھا سکتی ہے۔ جو شادی شدہ عورت کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے، جس سے اس کے رحم میں استقرار حمل نہیں ہوسکتا یا وہ اپنی عیش پسندی کی وجہ سے حمل کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتی اور بچے کی بھی خواہش رکھتی ہے، وہ کچھ پیسے خرچ کر کے کسی دوسری عورت کے رحم کو کرایے پر لے سکتی ہے۔ اسی طرح اس تکنیک سے وہ عورتیں بھی فائدہ اٹھا سکتی ہیں جو شادی کے

بندھن میں بندھے بغیر زندگی گزارتی ہیں اور فطری تقاضے سے کسی بچے کی پرورش کرنا چاہتی ہیں۔ ان کی خواہش کی تکمیل کے لیے مادۂ منویہ کی دوکانیں (Sperm Banks) قائم ہیں، جن میں بڑی بڑی اور مشہور شخصیات کے مادہ منویہ کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ وہ کسی من پسند شخصیت کے مادۂ منویہ (sperm) کو خرید کر، کسی ٹیسٹ ٹیوب میں اپنے بیضہ (ovum) کے ساتھ استقرار حمل کرواکے، کسی عورت کے رحم میں بہ صورت جنین اس کی پرورش کرواسکتی ہیں۔ دنیا کے متعدد ممالک، مثلاً جارجیا، نیدرلینڈ، بلجیم، یوکرین، اسرائیل اور امریکا کی بعض ریاستوں میں اسے قانونی جواز عطا کردیا گیا ہے۔ بعض ممالک میں قائم مقام مادریت کے ذریعے منافع خوری (commercial surrogacy) پر تو پابندی ہے، لیکن دیگر طریقوں سے اس تکنیک کے ذریعے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس صورت حال میں بہت بڑی تعداد میں عورتوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا ہے جو اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کرتا ہے اور اس کے ذریعے خاطر خواہ دولت کماتا ہے۔ ہندستان کی سپریم کورٹ نے ۲۰۰۲ء میں اپنے ایک فیصلے کے ذریعے Commercial Surrogacy کو قانونی حیثیت دے دی ہے۔ اس کے بعد سے ہندستان ایک ایسے ملک کی حیثیت سے ابھرا ہے، جہاں دیگر ممالک کے مقابلے میں بہت کم خرچ پر قائم مقام ماں کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

● **جنین کشی کا رجحان:** عصر حاضر کا ایک اہم مسئلہ رحم مادر میں جنین کشی (Foeticide) کا ہے۔ اسے اگرچہ بسااوقات قبل از نکاح جنسی تعلّق کے نتیجے میں استقرار شدہ حمل کو زائل کرنے کے لیے بروے کار لایا جاتا ہے، لیکن اس کا غالب استعمال اس صورت میں کیا جاتا ہے، جب بعد از نکاح استقرار حمل کے بعد الٹرا ساؤنڈ یا کسی دیگر تکنیک کے ذریعے معلوم کرلیا جاتا ہے کہ رحم میں لڑکی پرورش پارہی ہے۔ اس سماجی رویے نے عالمی سطح پر سنگین صورت اختیار کرلی ہے۔ ہندستان بھی اس سنگین مسئلے سے دوچار ہے۔ ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء کو انڈین یونین ہوم سکریٹری نے ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے اعداد وشمار جاری کیے ہیں، ان کے مطابق ملک کی آبادی تقریباً سوا ارب ہوگئی ہے۔ اس میں مرد ۵۴ء۵۱ فی صد اور عورتیں ۴۶ء۴۸ فی صد ہیں۔ بہ الفاظ دیگر ایک ہزار مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا تناسب ۹۴۰ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ گذشتہ ۱۰ برسوں میں عورتوں کی تعداد میں اضافہ کی شرح مردوں کے مقابلے میں بڑھی ہے۔ (۲۰۰۱ء میں مردوں اور

عورتوں کا باہمی تناسب ایک ہزار کے مقابلے میں ۹۳۳ تھا)۔تشویش کی بات یہ ہے کہ بچوں میں صنفی تناسب کا فرق گذشتہ دہائی کے مقابلے میں اور بڑھا ہے۔ ۲۰۰۱ء میں ایک ہزار لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعداد ۹۲۷ تھی، جب کہ ۲۰۱۱ء میں ۹۱۴ رہ گئی ہے۔

● **بوڑھوں کے لیے ہوسٹل کا رجحان**: خاندان اور سماج کا ایک اہم جز بوڑھے اور بزرگ ہوتے ہیں۔ ہر فرد اپنی عمر کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے بڑھاپے کو پہنچتا ہے۔ اس عمر میں اگرچہ اس کے جسمانی قویٰ مضمحل ہوجاتے ہیں اور وہ دوسروں کا دست نگر بن جاتا ہے، لیکن اپنے قیمتی تجربات اور سرپرستی کے پہلو سے اس کی اہمیّت نہ صرف باقی رہتی ہے، بلکہ بڑھ جاتی ہے۔ موجودہ دور کے تصورِ افادیت نے انھیں ایک بے کار اور غیر مفید فرد کی حیثیت دے دی ہے۔ چنانچہ ان سے نجات پانے کے لیے Old Age Homes قائم کیے گئے ہیں۔ مغربی ممالک میں تو ایسے مراکز عام ہیں، جہاں فیس ادا کرکے یا مفت میں بوڑھے رہایش اختیار کرسکتے ہیں، ہندستان میں بھی ان کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ ۱۹۹۸ء کی ایک رپورٹ کے مطابق یہاں ۷۲۸ اولڈ ایج ہوم تھے، جن میں سب سے زیادہ (۱۲۴) کیرالا جیسی خوش حال ریاست میں تھے۔ [پاکستان میں بھی مادیت کے فروغ اور معاشرتی اقدار کے کمزور پڑنے سے بزرگوں کی خدمت کی اخلاقی قدر متاثر ہوئی ہے جس کا ایک ثبوت بوڑھوں کے لیے ہوسٹل بنانے کا رجحان کا پیدا ہونا ہے۔ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔]

● **جسم فروشی ایک صنعت**: دیگر اور بھی متعدد مسائل ہیں جن سے انسانی معاشرہ عالمی سطح پر دوچار ہے مثلاً: عصمت وعفّت کو ایک شے بے معنی سمجھ لیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں جسم فروشی نے ایک صنعت کی شکل اختیار کرلی ہے۔ بہت سی غربت کی ماری عورتیں اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے قحبہ گری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبُور ہوتی ہیں۔ دوسری طرف سیکس مافیا کا بہت بڑا اور منظّم گروہ ہے، جو 'گرم گوشت' کی بین الاقوامی تجارت میں ملوّث ہے۔ وہ پس ماندہ ممالک سے لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں معصوم لڑکیوں کو اغوا کرکے یا غریب والدین کو پیسوں کا لالچ دے کر انھیں ترقی یافتہ ممالک میں سپلائی کرتا ہے۔ بہت سی لڑکیاں شوق میں یا اپنے بڑھے ہوئے اخراجات پورے کرنے کے لیے یہ پیشہ اختیار کرتی ہیں، لیکن اس دلدل میں پھنسنے کے بعد پھر اس

سے نکل پانا ان کے نصیب میں نہیں ہوتا۔

ایک سماجی مسئلہ یہ بھی ہے کہ نکاح دشوار، پُرپیچ اور کثیر المصارف ہوجانے کی وجہ سے بہت بڑی تعداد میں لڑکیاں بڑی عمر کو پہنچ جانے کے باوجود بیٹھی رہ جاتی ہیں اور ان کے رشتے نہیں ہو پاتے۔ یہ صورت حال طرح طرح کے سماجی مسائل کو جنم دیتی ہے۔ پھر ناجائز جنسی تعلقات کے نتیجے میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ صحیح خطوط پر نشوونما اور مناسب تربیت اور سرپرستی سے محروم ہونے کی بنا پر سماج کے لیے وبالِ جان بن جاتے ہیں۔

● **مساوات مرد و زن اور خواتین پر تشدد:** عورتوں کو ہر طرح کے حقوق سے بہرہ ور کرنے کے لیے ایک تحریک برپا کی گئی، جسے تحریک حقوقِ نسواں (Feminism) کا نام دیا گیا۔ اس نے نعرہ دیا کہ عورت کو ہر حیثیت سے مرد کے مساوی مقام حاصل ہے اور وہ ہر وہ کام کرسکتی ہے جسے مرد انجام دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس تصور نے خاندان کے دونوں مرکزی ستونوں کو، جو حقیقت میں باہم رفیق اور حلیف تھے، ایک دوسرے کا فریق اور حریف بنادیا۔ جب عورت کو ہر حیثیت سے مرد کے مساوی مقام حاصل ہے تو وہ نظامِ خاندان میں مرد کی ماتحتی کیوں قبول کرے۔ ملازمت اور روزگار کے مواقع نے اسے خودکفیل بنادیا اور مرد پر اس کا انحصار کم یا ختم ہوکر رہ گیا۔ اس کے نتیجے میں اس کی جانب سے سرکشی اور خودسری کا مظاہرہ ہونے لگا۔ دوسری طرف مرد نے اسے قابو میں کرنے کے لیے اپنے زور بازو کا استعمال شروع کردیا۔ اس چیز نے گھریلو تشدد (Domestic Violence) کو جنم دیا، جو آج کل پوری دنیا کا ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اس کا اظہار اقوام متحدہ کے ایک نمایندہ Yakin Erturk کی ایک رپورٹ سے ہوتا ہے جس میں اس نے کہا ہے: ''عورتوں کے خلاف تشدد ایک عالمی مظہر ہے جو دنیا کے تمام ممالک میں پایا جاتا ہے''۔

● **معاشرتی انتشار و انحطاط:** ان مسائل کے بطن سے دیگر بہت سے سماجی مسائل نے جنم لیا ہے، جن کی وجہ سے نہ صرف خاندان کا روایتی نظام معرضِ خطر میں ہے اور اس کی بنیادیں متزلزل ہیں، بلکہ پورا انسانی معاشرہ ان کی زد میں ہے اور ان کی مار جھیل رہا ہے۔ عالمی سطح پر بڑھتے ہوئے جرائم کے اعداد و شمار پر نظر ڈالیں اور ان کے اسباب وعلل پر غور کریں تو ان کی جڑ میں یہی مسائل دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اخلاق و شرافت کا جنازہ نکل گیا ہے اور انسانوں کا معاشرہ خالص

حیوانی معاشرے کی تصویر پیش کر رہا ہے۔ جس طرح حیوانات جنس کے معاملے میں تمام حدود و قیود سے آزاد ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے درمیان بھی آزادی اور بنیادی حقوق کے نام پر تمام پابندیاں ختم کی جارہی ہیں۔ جو لوگ ازدواجی تعلقات کے سلسلے میں ضابطوں کی پابندی کرتے ہیں ان کے درمیان بھی ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی، ظلم و زیادتی، تشدد اور بے وفائی کے واقعات عام ہیں۔ اس کے نتیجے میں زوجین کے درمیان علیٰحدگی اور طلاق کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں۔ نوعمر لڑکیوں کے اغوا اور ان کے ساتھ زنا بالجبر اور قتل کے واقعات اتنے زیادہ پیش آرہے ہیں کہ ان کی سنگینی کا احساس ختم ہوتا جارہا ہے۔ والدین اور اولاد کے درمیان مودّت اور مرحمت کا تعلّق کم زور سے کم زور تر ہوتا جارہا ہے۔ والدین اگر اپنے نوعمر بچوں کو آزادی سے منع کرتے اور اخلاقی حدود میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ بغاوت پر اتر آتے ہیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی ان کی روک ٹوک کو انسانی آزادی میں مداخلت کا نام دے کر اسے قابلِ تعزیر جرم قرار دیتے ہیں۔ [پاکستانی معاشرہ بھی انتشار سے دوچار ہے۔ خاندان کا ادارہ کمزور پڑ رہا ہے، طلاق کی شرح میں اضافہ ہوگیا ہے۔ جرائم بالخصوص جنسی جرائم میں اضافہ ہورہا ہے۔ نئی اور پرانی نسل میں تفاوت بڑھ رہا ہے۔ اولاد والدین کے کہنے میں نہیں، اور معمولی معمولی بات پر خودکشیاں کی جارہی ہیں۔ جنسی بے راہروی بڑھ رہی ہے اور اس کو بڑھانے میں میڈیا بالخصوص اشتہارات میں خواتین کا نیم عریاں حالت میں اخلاق سوز حرکات کے ارتکاب کا اہم کردار ہے۔ بے پردگی اور معاشرتی سطح پر مرد و خواتین بالخصوص نوجوان طلبہ و طالبات کا آزادانہ میل جول اور مخلوط ماحول اخلاقی بے راہ روی کا باعث ہے۔ نتیجتاً حلال و حرام کی تمیز اُٹھ رہی ہے، شراب نوشی اور زناکاری کا رجحان بڑھ رہا ہے، اور بتدریج مذہب کی گرفت کمزور پڑ رہی ہے جو معاشرتی انتشار کا باعث ہے۔]

جنسی آوارگی کی سزا قدرت نے ایڈز کی شکل میں دی ہے، جس سے دنیا کے تمام ممالک پریشان ہیں اور کروڑوں اربوں ڈالر خرچ کرنے اور بے شمار احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود اس موذی اور بھیانک مرض پر قابو پانے میں ناکام ہیں۔ UNAIDS کی ۲۰۰۷ء کی رپورٹ کے مطابق، دنیا میں تقریباً ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ افراد ایچ آئی وی اور ایڈز سے متاثر ہیں۔ ان میں سے تقریباً نصف تعداد عورتوں کی ہے۔ ڈیڑھ کروڑ بچے ایسے ہیں جن کے والدین میں سے ایک یا

دونوں ایڈز سے جاں بہ حق ہوگئے ہیں۔ ایڈز سے متاثر ہونے والے نئے مریضوں میں ۱۵ سے ۲۴ سال کی درمیانی عمر کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا تناسب ۴۵ فی صد ہے۔ ہندستان میں، ایک اندازے کے مطابق ۲۰۰۷ء میں ایڈز اور ایچ آئی وی سے متاثر افراد کی تعداد ۲۵ لاکھ سے زائد تھی جن کی تعداد اب پہلے سے زیادہ ہے۔

یہ ہیں وہ چند سنگین مسائل، جو عالمی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر بھی انسانی سماج کو درپیش ہیں۔ ان مسائل نے دنیا کے تمام مفکرین، دانش وروں، سیاست دانوں، امن و قانون نافذ کرنے والے اداروں اور سماجی مصلحین کو پریشان کر رکھا ہے۔ انھیں کوئی راہِ عمل سجھائی نہیں دے رہی ہے۔ ان مسائل کو حل کرنے اور ان کی گتھیوں کو سُلجھانے کے لیے وہ نت نئی تدابیر اختیار کرتے ہیں، مگر مسائل ہیں کہ مزید الجھتے چلے جا رہے ہیں۔ طرح طرح کے قوانین بناتے ہیں، مگر وہ ذرا بھی موثر ثابت نہیں ہو رہے ہیں۔ فطرت سے بغاوت کا یہ انجام تو سامنے آنا ہی تھا اور اس کے کڑوے کسیلے پھلوں کا مزا تو چکھنا ہی تھا۔

● **سماجی مسائل اور اسلام کا حل:** اسلام نے خاندان اور سماج کا جو تصور پیش کیا ہے وہ موجودہ دور کے ان تصورات سے قطعی مختلف ہے۔ اس نے انسان کی فطرت میں ودیعت شدہ جنسی جذبے کو اہمیّت دی ہے۔ وہ نہ اسے دبانے اور کچلنے کا قائل ہے، نہ انسان کو بے مہار چھوڑ دیتا ہے کہ اس کی تسکین کے لیے جو طریقہ چاہے اختیار کرے، بلکہ وہ اسے ایک مخصوص طریقے کا پابند کرتا ہے، جس کا نام 'نکاح' ہے۔ اس کے ذریعے مرد اور عورت کے درمیان جنسی تعلّق صحیح بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور خاندان کا ادارہ تشکیل پاتا ہے۔ اس کی نظر میں زنا صرف وہی نہیں، جس میں جبر و اکراہ شامل ہو، بلکہ وہ بھی ہے جو طرفین کی رضامندی سے ہوا ہو۔ نکاح کے بغیر جنسی تعلّق قائم کرنا ہر حال میں حرام ہے، خواہ اس کا ارتکاب سماج کی نگاہوں کے سامنے ہو یا پوشیدہ اور اس میں طرفین کی مرضی شامل ہو یا نہ ہو۔ اس کے نزدیک ہم جنس پرستی شدید مبغوض شئے اور موجبِ تعزیر جرم ہے، اس لیے کہ یہ انسان کے فطری داعیے کے خلاف اور اس سے بغاوت ہے۔ اس کے نزدیک انسان اپنے اعضائے جسم کا مالک نہیں، بلکہ امین ہے، اس لیے مادۂ منویہ کو اسپرم بینک میں محفوظ کرنے اور رحم کو کرایے پ[illegible] کوئی حق نہیں۔ اس کے نزدیک 'عفت و عصمت'

اعلیٰ اخلاقی قدر اور بڑی قیمتی شے ہے، اس لیے اس سے کھلواڑ کرنے، اسے ذریعۂ معاش بنانے یا اسے مالِ تجارت کی حیثیت دینے کا کسی کو حق نہیں۔ اس کے نزدیک اولاد شادی شدہ جوڑے کے لیے اللہ تعالیٰ کا انمول عطیہ ہے، اس لیے رحمِ مادر میں پرورش پانے والا جنین لڑکا ہو یا لڑکی، دونوں یکساں اہمیّت کے حامل ہیں۔ اللہ نے روزی اور وسائلِ معاش فراہم کرنے کا ذمہ اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے، اس لیے کم افادیت یا عدمِ افادیت کے بہانے مادہ (female) جنین کا اسقاط کروانا جائز نہیں۔ اس کے نزدیک بوڑھے والدین خاندان کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں، اس لیے ان کی ہرطرح سے خدمت کرنا، ان کے لیے دیدہ و دل کو فرشِ راہ کرنا اور ان کی تنک مزاجی کو برداشت کرنا سعادت منداولاد کا فریضہ ہے۔ وہ نظامِ خاندان میں مرد اور عورت کے حقوق کے درمیان مساوات کا تو قائل ہے، لیکن ان کی یکسانیت کا قائل نہیں ہے۔ اس نے دونوں کے دائرۂ کار الگ الگ رکھے ہیں اور دونوں کو الگ الگ نوعیت کی ذمہ داریاں سونپی ہیں۔

خاندان اور سماج کی صحیح خطوط پر استواری کے لیے اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو وہ مسائل پیدا ہی نہیں ہوں گے، جن کا اوپر کی سطور میں تذکرہ کیا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ رب العالمین انسانوں کی ضروریات سے بھی واقف ہے اور ان کی فطرت سے بھی اچھی طرح آگاہ ہے، جس پر اس نے انھیں پیدا کیا ہے۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب انسان اپنی فطرت سے بغاوت کرتے ہیں اور اس سے انحراف کر کے غلط راہوں پر جا پڑتے ہیں۔ اسلام کی یہ تعلیمات محض خیالی اور نظریاتی نہیں ہیں، بلکہ ایک عرصے تک دنیا کے قابلِ لحاظ حصّے میں نافذ رہی ہیں اور سماج پر ان کے بہت خوش گوار اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ آج بھی جن معاشروں میں ان پر عمل کیا جارہا ہے وہ پاکیزگی، امن اور باہمی ہمدردی و رحم دلی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اس لیے جو لوگ بھی موجودہ دور کے مذکورہ بالا سماجی مسائل سے چھٹکارا حاصل کرنا اور ان کے برے اثرات اور پیچیدہ عواقب سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں، انھیں اسلام کی ان تعلیمات کو اختیار کرنے اور انھیں اپنے سماج میں نافذ کرنے کے لیے سنجیدہ کوشش کرنی چاہیے۔

★مقالہ نگار ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ میں محقق اور مجلہ تحقیقاتِ اسلامی کے معاون مدیر ہیں

'دہشت گردی کے خلاف جنگ'

عالمی تسلط کی امریکی حکمت عملی★

ڈاکٹر جی اے خان/ ترجمہ: اویس احمد

امریکی 'صلیبی جنگ' دراصل کروڑوں لوگوں کو لوٹنے اور قتل کرنے کے لیے رچایا گیا ایک کھیل ہے۔ سوویت یونین کے انہدام سے امریکا نے قتل عام کا لائسنس اور لامحدود طاقت حاصل کرلی تاکہ وہ (افغانستان سے) نائن الیون کا بدلہ لے سکے اور (عراق میں) بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار تلاش کر سکے، لیکن اس کا اصل مقصد ایک تو اسلام کو بدنام کرنا اور دوسرے مشرق وسطیٰ کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنا تھا۔

اس حوالے سے کئی تحقیقات ہو چکی ہیں، جیسے دلیپ ہیرو کی Secrets and Lies [راز اور جھوٹ]، تھامس رک کی Fiasco [مضحکہ خیز ناکامی]، پیٹر گلبریتھ کی The End of Iraq [عراق کا خاتمہ]، فرینک رچ کی The Greatest Story Ever Sold - The Decline and Fall of Truth [عظیم ترین کہانی جو کبھی بیچی گئی، سچّائی کا زوال اور موت]، اور اس کے علاوہ بھی بہت سی ہیں، مگر ان سب میں اسلامی نقطۂ نظر سے ایک مشترک کمی ہے۔ منظور عالم کے اس علمی و تحقیقی تجزیے نے یہ کام بہتر طور پر کیا ہے۔

★War on Terrorism or American Strategy for Global Dominance:Islamic Perspective on Afghan-Iraq War (دہشت گردی کے خلاف جنگ یا دنیا پر غلبے کی امریکی حکمت عملی: افغانستان عراق جنگ پر اسلامی نقطۂ نظر)، مصنف: منظور عالم۔ ناشر: وینٹیج (Vantage) پریس، نیویارک، امریکا۔ صفحات: ۴۰۸+۱۴۔ قیمت: ۱۹ امریکی ڈالر۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ: پس منظر

پہلے باب میں ڈاکٹر منظور نے اس پس منظر کا احاطہ کیا ہے جس نے امریکا کو اس 'صلیبی جنگ' کی طرف راغب کیا۔ کمیونزم کے خاتمے اور سوویت روس کے انہدام کے ساتھ ہی امریکی لبرل ازم (ص۱) کا بھی خاتمہ ہوگیا اور وہ ایک مطلق العنان استعماری ملک میں تبدیل ہوگیا۔ اس نے ایک آمرِ مطلق کا سارویہ اپنا لیا (ص۲)۔ اس کے نو قدامت پسند، خصوصاً نائب صدر ڈک چینی نے شیطان کا کردار ادا کیا اور ہمیشہ قتل، تباہی اور غلبے کی بات کی۔

یہ نوقدامت پسند بین الاقوامی قوانین اور ضوابط پر یقین نہیں رکھتے تھے، اس لیے حکومتوں کی تبدیلی کی بات کرتے تھے۔ تاہم، عراق جنگ اتنی بڑی ناکامی ہوگی وہ اس کا پیشگی اندازہ نہ کرسکے۔ 'حکومتوں کی تبدیلی' کی پالیسی نے حفظ ماتقدم کے طور پر حملے کے غیراخلاقی فلسفے کو جنم دیا جسے 'پیشگی حملے' کا متبادل ٹھیرالیا گیا۔ مذہبی جنونیت کے فرضی خطرے نے انھیں یہ جنگ ایک کارخیر کے طور پر چھیڑنے پر اکسایا۔ ڈک چینی نے عراق پر حملے کا مشورہ ۱۱ستمبر سے بھی پہلے دے دیا تھا، تاکہ تیل کے ذخائر پر غلبہ حاصل کیا جاسکے۔ یہودیوں اور مذہبی عیسائیوں نے اسے حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ ظہور کے حوالے سے بائبل کا حکم ٹھیرایا اور یوں یہ ان کے لیے ایک مذہبی فریضہ بن گیا (ص۱۱)۔ مسلمان ممالک میں جمہوریت کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے امریکا نے اس کمی کو اپنے نام نہاد جمہوری برانڈ سے پورا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اپنے نظریے کی توضیح کرتے ہوئے سابق صدر بش نے کہا: ''مجھے خدا نے کہا ہے کہ میں القاعدہ (افغانستان) پر حملہ کروں تو میں نے کردیا، پھر خدا نے مجھے کہا کہ اب صدام (عراق) پر حملہ کرو تو میں نے وہ بھی کردیا'' (ص۱۳)۔ فوری خطرہ یہ تھا کہ ''صدام نے تعاون کرنا شروع کردیا تھا'' (ص۱۴)۔ مصنف نے اس باب میں اسلامی شدت پسندی میں اضافے پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

افغانستان پر حملے کے مضمرات

امریکا میں بہت سے لوگ یقین نہیں رکھتے کہ ٹوئن ٹاور جہازوں کے ٹکرانے سے گرے تھے۔ تاہم، امریکا بہرصورت افغانستان پر حملے (Operation Enduring Freedom) کے لیے تیار تھا تاکہ اسامہ بن لادن کو مارا اور طالبان حکومت کو گرایا جاسکے (ص۲۶)۔ افغانستان پر اپنی

گرفت مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ امریکا نے اسامہ اور باغیوں کی تلاش کا مشن جاری رکھا۔ کرزئی جسے طنزاً 'کابل کا عزت دار میئر' کہا جاتا ہے، ایک امریکی کٹھ پتلی تھا اور ہے۔ ۱۰ سالہ روسی تسلط کے باعث بدترین معاشی بدحالی کا شکار افغانستان امریکا کی جانب سے ہلاکت خیز حملے کا شکار ہوا۔ ابتدا میں افغانوں نے طالبان کے انخلا کو اس امید کے ساتھ خوش آمدید کہا کہ اب امریکا ہوور ڈیم جیسے منصوبے یہاں بھی شروع کرے گا اور افغانستان کو 'چھوٹا امریکا' قرار دے کر اس کی معیشت کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دے گا۔

افغانستان میں امریکی مفادات کے مقابلے میں عراق کی جغرافیائی سیاست زیادہ پُرکشش تھی (ص۳۲)۔ افغانستان کی تعمیر ایک خواب ہی رہی (ص۳۳)۔ جب افغان قوم نے دیکھا کہ اسے دھوکا دیا گیا ہے، تو وہ دوبارہ طالبان سے رجوع کرنے پر مجبور ہوگئی (ص۳۴)۔ امریکیوں کا متکبرانہ اور توہین آمیز برتاؤ افغانوں کے لیے ناقابل برداشت تھا (ص۳۶)۔ اس لیے انھوں نے اپنے تحفظ کے لیے دوبارہ طالبان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ باغی امریکی تسلط کے شکار اپنے ملک کی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں (ص۴۸) اور مزاحمت کی شدت ناقابل تصور ہے (ص۴۹)۔

اب چونکہ طالبان پہلے جیسے کٹر نہیں رہے، اس لیے ان پر افغانوں کا اعتماد بحال ہو رہا ہے۔ انگریز انھیں کثیر الفم کہتے ہیں کیوں کہ ہر کٹنے والا سر دو نئے سروں کا اضافہ کر دیتا ہے۔ امریکیوں سے حکمت عملی کی بھاری غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے اپنے مشن کا رخ افغانستان کی تعمیرنو سے 'اسامہ اور طالبان' کی جانب موڑ دیا۔ ''ہلمند آپریشن مکمل طور پر ایک خودکشی کا مشن تھا''۔ (ص۵۱)

نام نہاد عالمی امداد پر ان ممالک کو کنٹرول حاصل ہے جو اس کا رخ اپنی طرف رکھتے ہیں۔ عیاش کنسلٹنٹ بڑی بڑی تنخواہیں وصول کرتے ہیں جو ۵ لاکھ ڈالر فی کنسلٹنٹ تک پہنچ جاتی ہیں (ص۵۵)۔ افغان کبھی پوست کاشت کرنے والی قوم نہ تھی... بے حساب غربت اور محتاجی نے انھیں اس کی طرف راغب کیا (ص۵۸) جو ان کے لیے بے پناہ نفع بخش ثابت ہوئی، اور اب وہ اسے چھوڑ کر روایتی فصلوں کی طرف واپس نہیں آنا چاہتے۔ بعض اضلاع میں گانجے کی فصل بھی بہت نفع بخش کاروبار بن گئی ہے (ص۶۲)۔ افغانستان میں امریکی اور ناٹو ایڈونچر ایک بدترین ناکامی ثابت ہوا (ص۶۵)۔ اب ان ممالک کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ عزت اور وقار سے رخصت ہونا چاہتے

ہیں یا زبردستی انخلا کے منتظر ہیں۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ افغان قوم نے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے۔ اگر کسی کو شک ہو تو برطانیہ اور روس میں گواہی دینے والے موجود ہیں۔ (ص ۶۶)

عراق پر حملہ: دعوے اور حقائق

تیسرا باب عراق جنگ کے اسباب ڈھونڈتا ہے۔ حملے کا جواز یہ بتایا گیا تھا کہ عالمی تجارتی مرکز پر حملہ صدام حسین نے کرایا، اس لیے وہ بہت بڑا خطرہ ہے، اور یہ بھی کہ اس نے ایٹمی، حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے... ایک فرضی کہانی جس کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا (ص ۶۷)۔ جواز گھڑے گئے؛ وجوہ تراشی گئیں تاکہ عالمی برادری کو دھوکا دیا جاسکے۔ اصل مقصد کو چھپا کر رکھا گیا۔ امریکی عوام کو بے وقوف بنایا گیا۔ اس کا محرک عربوں پر فوجی برتری قائم کرنے اور اسرائیلی مفادات کو تحفظ دینے کا جنون تھا۔ اصل ہدف تیل کے وسائل پر قبضہ تھا۔ چونکہ صدام حکومت اسرائیل کے لیے ایک خطرہ تھی اس لیے اس کا خاتمہ ضروری تھا۔ صدر بش کے لیے یہ مذہبی فریضے کی طرح تھا کہ وہ بائبل کے مطابق عیسٰیؑ کے دوبارہ ظہور کی پیش گوئی پوری کرے۔ پال وولف وٹز، ڈگلس فیتھ اور رچرڈ پرلی جیسے نوقدامت پسندوں نے وائٹ ہاؤس کی پالیسی کا تعیّن کیا۔ دوسرے حصّے داروں کا کردار صرف 'بھالے اٹھانے' (ص ۷۰) والوں تک محدود کر دیا گیا۔ عراق پر حملے کی خواہش اور ضرورت نائن الیون سے پہلے، بلکہ بش انتظامیہ سے بھی پہلے اپنا وجود رکھتی تھی۔ (ص ۷۱)

صدام حسین کا القاعدہ سے (فرضی) تعلّق ثابت کرنے کے لیے ایک جعلی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ لیکن اس ڈر سے کہ یہ کمیٹی کہیں صدام حسین کو اس الزام سے بری قرار نہ دے دے اور بش منصوبہ خاک میں مل جائے، عراق پر حملہ کر دیا گیا۔ ڈک چینی صدام کو ہر ممکنہ طریقے سے ہٹانے کا عزم رکھتا تھا، جب کہ اس کو ملنے والی خفیہ رپورٹوں کا کہنا تھا کہ صدام حکومت کو کسی خفیہ کوشش سے نہیں گرایا جاسکتا۔ رچرڈ پرلی اور چند دوسرے لوگوں نے انٹیلی جینس کا جوڑ توڑ شروع کر دیا (ص ۷۷)۔ جب انھیں یقین ہو گیا کہ ایٹمی ہتھیار تباہ کر دیے گئے ہیں تو وہ بہترین موقع تھا کہ عراق پر حملہ کر کے اسے مزید کمزور کر دیا جائے۔ اس کے بعد سینیٹ میں بھاری اکثریت سے قرارداد (۲۳:۳۰:۷۷) منظور کرائی گئی جس میں شرم ناک جھوٹ بولے گئے... وہاں نہ تو کوئی ہتھیار تھے اور نہ القاعدہ سے رابطے۔

برطانوی حکومت نے عراق پر جلد حملے کے امریکی کیس کو مزید مضبوط کیا۔ اس نے ایک دستاویز جاری کی (جس کے لیے اسے بعد میں معافی مانگنی پڑی) جس میں صدام حسین کی فوجی صلاحیت کو جھوٹ موٹ بڑھا کر پیش کیا گیا تھا۔ یہ دراصل جھوٹی اور من گھڑت اطلاعات پر مبنی تھی (ص۸۳)۔ حیاتیاتی جنگ کی تیاریوں کے حوالے سے سی آئی اے کی ایک من گھڑت، جھوٹی اور خیالی رپورٹ میں ٹرالرز کو جراثیم پیدا کرنے والی لیبارٹریاں 'ثابت' کیا گیا (سی آئی اے کو معلوم تھا کہ عراق ایٹمی ہتھیاروں کے پروگرام پر کام کر رہا ہے)۔ کچھ ڈھانچے اور ایلومینیم کی ٹیوبیں دکھائی گئیں کہ یہ کسی خفیہ مقصد کے لیے استعمال کی جاتی ہیں (حالانکہ اس کے اپنے ماہرین جانتے تھے کہ یہ جھوٹ اور دھوکا دہی ہے)۔ نائجر سے یورینیم کی خریداری کا معاملہ بھی بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا، حالانکہ اس ملک کے وزیراعظم اور صدر دونوں نے اس دعوے کی سختی سے تردید کی تھی۔

اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل میں عراق پر فوجی حملے کے لیے دوسری قرارداد کی کوششیں ناکام ہوگئیں۔ فرانس اور جرمنی نے فوجی حملے کے حوالے سے سخت تنبیہ کی، تاہم بش تو پہلے سے ہی خود کو اس میں جھونک چکا تھا۔ دراصل صدام حسین اس مسئلے کا پرامن حل ڈھونڈنے کے لیے کئی نمایندے بھیج چکا تھا... یہاں تک کہ تیل کی قیمتوں میں رعایت تک دینے پر تیار تھا۔ حملے کی شدید مذمت کی گئی۔ رابن کک برطانوی کابینہ سے مستعفی ہو گئے اور مسز کلیئر شارٹ نے بھی (Honourable Deception) کے نام پر ایسا ہی کیا (ص۹۹)۔ پیوٹن نے کہا: اس جنگ نے دہشت گردوں کے لیے جنت پیدا کر دی ہے۔ (ص۱۰۰)

دو کمیٹیوں نے صدام حکومت کے خاتمے پر بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تلاش کی اور سابقہ انٹیلی جنس رپورٹوں کو مضحکہ خیز اور گمراہ کن قرار دیا (ص۱۰۳)۔ برطانیہ نے حملے میں شمولیت کے لیے دو شرائط رکھی تھیں، لیکن ڈک چینی اور رمزفیلڈ نے ان کی ذرہ برابر پروانہ کی (ص۱۰۷)۔ عراقی فوج کی شکست سے مزاحمت ختم نہیں ہوئی، بلکہ اس نے ایک اور منفرد قسم کی مزاحمت کو جنم دیا جس نے امریکی کمانڈ کو ہلا کر رکھ دیا۔ (ص۱۰۷)

گوانتاناموبے، بگرام اور ابوغریب: انسانیت سوز جرائم

باب چہارم میں مصنف ''گوانتا ناموبے، ابوغریب اور بگرام... شرم ناک ترین اور

انسانیت سوز قید خانوں‘‘ کی کہانی بیان کرتا ہے، جہاں ’’قیدیوں سے تفتیش کے لیے سزاؤں کی انتہائی سفا کانہ ترکیبیں استعمال کی جاتی ہیں، اور جنیوا کنونشن کو یہ کہہ کر ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے کہ یہاں پر یہ لاگو ہی نہیں ہوتا‘‘ (ص ۱۰۹)۔ اس کے لیے جواز یہ گھڑا جاتا ہے کہ یہ جنگی قیدی نہیں بلکہ دشمن جنگ جو ہیں۔ قیدیوں میں کئی نابالغ بھی شامل تھے۔

اسلام ہدف تھا، اس لیے بش انتظامیہ نے ہر طرح سے کوشش کی کہ وہ قیدیوں کے مذہبی جذبات سے کھیلیں لیکن وہ کچھ حاصل نہ کر سکے۔ قیدیوں کی اسلام سے عقیدت دوسروں پر اثر ڈالنے والی تھی (ص ۱۱۴)۔ یہاں تک کہ خواتین تفتیشی افسروں کی جانب سے جنسی رغبت اور دوسرے حیا سوز حربے بھی ان کے ایمان کو ڈگمگانے میں ناکام رہے، ’’بلکہ ان کا الٹا اثر ہوا‘‘ (ص ۱۱۴)۔ تفتیش کاروں کی معاونت کرنے میں ڈاکٹر اپنی پیشہ ورانہ اخلاقیات بھول بیٹھے تھے (ایسا ہی سلوک بنگلور کے ’NIMHANS‘ نامی ادارے کی ایک ڈاکٹر نے ’سیمی‘ (Students Islamic Movement of India) کے قیدیوں کے ساتھ کیا ہے)۔ قیدیوں کو کئی کئی بار بھوک ہڑتال کرنے پر مجبور کیا جاتا اور پھر ہڑتال کے دوران انھیں زبردستی کھانا کھلا دیا جاتا۔ بعد میں اس بات کا انکشاف ہوا کہ غلط شناخت کے اَن گنت واقعات بھی سامنے آئے ہیں (ص ۱۱۸-۱۱۹)۔ القحطانی (قیدی نمبر ۰۶۷) کو غلطی سے عالمی تجارتی مرکز پر حملوں میں ملوث بیسواں گم شدہ پائلٹ قرار دیا جاتا رہا جو بہت عرصے سے مفرور تھا۔ یہ واقعہ امریکیوں کی بے وقوفی کی واضح دلیل ہے۔ (ص ۱۲۰)

اسلام دشمنی کا بدترین واقعہ اس وقت پیش آیا جب قرآن پاک کی بے حرمتی کی گئی۔ اسے پاؤں میں ڈالا گیا اور یہاں تک کہ ٹائلٹ میں بہایا گیا اور اس پر تحریریں لکھی گئیں۔ یہ دنیا کے لیے ایک جھٹکا تھا جس کی عالمی سطح پر مذمت کی گئی۔ دنیا بھر میں امریکا مخالف پُرتشدد مظاہرے ہوئے جن میں کئی افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مظاہرین پر پولیس کے گولی چلانے سے چار افراد مارے گئے اور ۶۰ زخمی ہوئے۔

جہاں گوانتانامو بے افغانستان سے دور ایک سرزمین پر قائم تھا، وہاں بگرام افغانستان کی اپنی سرزمین پر قائم غیرملکی تعذیب خانہ تھا۔ اس کا شکار ہونے والوں کی اپنی کہانیاں ہیں...حبیب اللہ

اور دلاور نامی دو معصوم قیدی (ص ۱۳۹، ۱۳۷) تھے۔ ہر لات پڑنے پر دلاور کی دل دہلا دینے والی 'اللہ' کے نام کی چیخ تشدد کرنے والوں کے لیے مذاق بن گئی تھی۔ وہ اسے لاتیں مارتے تھے تاکہ وہ چیخے (ص ۱۳۷) اور اس مذاق کے لیے دلاور کو ۲۴ گھنٹوں میں ۱۰۰ لاتیں کھانا پڑیں۔ دو باغی ہلاک کیے گئے اور ان کی لاشوں کو جلا دیا گیا (ص ۱۴۰)۔ یہ سب جان بوجھ کر کیا گیا تاکہ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا جاسکے۔ یہاں تک کہ حامد کرزئی جیسا کمزور اور مطیع فرمان صدر بھی لاشوں کے جلانے کے وحشیانہ اقدام پر چیخ اُٹھا۔ (ص ۱۴۱)

۲۸ اپریل ۲۰۰۴ء کو سی بی ایس نیوز نے بغداد کی ابوغریب جیل میں امریکی فوجیوں کے قیدیوں سے انسانیت سوز سلوک کی شرم ناک تصاویر جاری کیں۔ ان تصاویر پر عالمی سطح پر شدید غم و غصہ پیدا ہوا۔ سابق نائب صدر ایل گور نے اسے 'امریکی گولاگ' کا نام دیا (ص ۱۴۲)۔ گوانتاناموا اور بگرام کے تشدد کے حربے ابوغریب میں بھی استعمال کیے گئے۔ جنرل ملر کو ابوغریب بھیجا گیا تاکہ اسے بھی 'گوانتانا موجیسا' بنا سکے (ص ۱۴۲)۔ امریکی فوج نے صدام کا تختہ الٹ تو دیا لیکن اس کی بنائی گئی جیلوں میں اس کے 'فنِ تشدد' کو مات دے دی (ص ۱۴۴)۔ تاگوبہ (Taguba) کی ۵۳ صفحات پر مشتمل رپورٹ جسے 'خفیہ' قرار دیا گیا، اعتراف کرتی ہے کہ 'امریکی فوجیوں نے بدترین عمل کیے اور عالمی قوانین کی بدترین پامالیاں روا رکھی گئیں'۔ (ص ۱۴۵)

تشدد کے حربوں میں چند ایک یہ تھے: قیدیوں کو مکوں، تھپڑوں اور لاتوں سے مارنا۔ ان کے ننگے پاؤں پر اچھلنا، برہنہ مرد اور خواتین قیدیوں کی تصاویر اور وڈیو بنانا، برہنہ قیدیوں کو خاص انداز سے بٹھانا تاکہ ان کی تصاویر لی جاسکیں۔ برہنہ قیدیوں کو ایک ڈھیر کی صورت میں فرش پر لٹانا اور پھر ان پر چھلانگیں لگانا اور ان کے ننگے بدن پر ٹھنڈا پانی ڈالنا (ص ۱۴۶)... کچھ ایسی سزائیں بھی ہیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں۔

فیلوپ کارٹر انھیں امریکی فوج کے وقار پر گہرے داغ قرار دیتے ہوئے اسے 'امریکا کو بہت بڑی شکست' قرار دیتا ہے (ص ۱۴)۔ ان اقدامات نے عراق میں بغاوت کو مزید طاقت فراہم کی۔ ویٹی کن کے وزیر خارجہ آرچ بشپ گیووانی لاجولو نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: 'یہ امریکا کے لیے ۱۱ ستمبر (کے حملوں) سے زیادہ سنگین دھچکا ہے، لیکن یہ دھچکا دہشت گردوں کی طرف سے

نہیں، خود امریکیوں کی طرف سے ہے'' (ص ۱۵۰)۔ کولمبیا سے تعلّق رکھنے والے ۷۳ سالہ مصور فرنانڈو بوٹیرو نے عراقی قیدیوں کے ساتھ اس سلوک کو اپنا موضوع بنالیا اور اس پر ۴۸ پینٹنگز اور خاکے بنائے جن کی نمایش روم میں کی گئی۔ (ص ۱۵۲)

امریکی کنٹرول میں کام کرنے والے تمام قید خانوں میں قیدیوں کے ساتھ روا رکھے گئے ذلت آمیز سلوک نے... شورش میں مزید اضافہ کیا اور باغیوں کو سارے عالم اسلام سے عراق میں جمع کرنے کے لیے ایک مقناطیس کا کردار ادا کیا۔ عراق میں تعینات ایک امریکی فوجی افسر نے تسلیم کیا کہ ابوغریب بغاوت میں اضافے کے لیے ایک درمیانے درجے کا تربیتی مرکز ہے (ص ۱۵۳)۔ گوانتانا موبے ایک 'قانونی بلا' ہے۔ (ص ۱۵۵)

عراق پر تسلط اور جبر و تشدد

پانچواں باب سب سے طویل ہے جو دو حصوں اور ۱۳۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تشدد اور خوف ناک اموات کا ریکارڈ ہے۔ ابتدا میں مصنف بتاتا ہے کہ باغیوں کی طرف سے شدید مزاحمت نے کیسے اتحادی افواج کے تمام آپریشنوں کی کمر توڑ ڈالی۔ امریکا کو منہ توڑ جواب دینے کے لیے شیعہ اور سنی اکٹھے ہو گئے۔ وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اور اس لیے لڑ رہے ہیں کہ ان کی آزادی پامال کی گئی ہے، ہتھیار اور ٹکنالوجی ان پر محدود اثر ڈالتے ہیں۔ (ص ۱۵۹)

صدام اور اس کے مجسمے گرانا تو آسان تھا لیکن افراتفری کو امن میں بدلنا جوے شیر لانے کے مترادف تھا (ص ۱۶۰)۔ احمد شیلابی جس نے صدام کا جانشین بننے کا خواب دیکھا تھا بہت ناراض ہوا اور ڈک چینی سے بات کر کے اس نے گارنر کی جگہ پال برمر سوئم کو گورنر تعینات کروالیا لیکن یہ ایک آفت ثابت ہوا... امریکی عراقیوں کے رہے سہے جذبۂ خیر سگالی سے بھی محروم ہو گئے۔ اس نے نہ صرف عراقی فوج اور پولیس کے اداروں کو ختم کر دیا اور ۳ لاکھ ۸۵ ہزار فوج اور ۴ لاکھ ۸۵ ہزار پولیس اہل کاروں کو نوکریوں سے فارغ کر دیا بلکہ ہر اعتدال پسند شہری کو ناراض کر دیا۔ وہ لوگ فوراً باغیوں سے مل گئے۔ انھیں افرادی قوت اور ہتھیار فراہم کرنے لگے۔ برمر کی معاشی پالیسی بھی تباہ کن ثابت ہوئی۔ اس نے ۱۹۳ سرکاری صنعتیں بند کر دیں۔ معیشت پر اس کا اثر تباہ کن ہوا۔ عراق اسلامی بنیاد پرستی کا مرکز بن کر ابھرا۔ ہر سمت سے مجاہدین کا رخ عراق کی طرف ہو گیا۔

جیسا کہ ایک افسر نے کہا تھا: ''ہمارے پاس اتنی گولیاں نہیں جتنے ہم دشمن بنا رہے ہیں'' (ص۱۷۹)۔ فلوجہ پر لگا تار بم باری کے دوران امریکیوں نے 'سفید فاسفورس' بھی استعمال کی۔ انھوں نے صدام پر الزام لگایا تھا کہ وہ حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیار استعمال کر رہا ہے، لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ خود بھی ان کا استعمال کر رہے ہیں۔ (ص۱۸۶)

طویل عرصے تک فرقہ وارانہ تعصّبات لوگوں کو بالکل بھولے رہے۔ اپنی کامیابی کے لیے امریکیوں نے ان کی نفرت کو بھڑکایا اور ایک کو دوسرے گروہ کے خلاف اکسانے کے لیے ان کی مساجد میں بم دھماکے کرائے جس کا بالآخر امریکا کو فائدہ ہوا اور انھیں انتہائی ضروری ریلیف مل گیا۔ [حضرت] حسن عسکریؒ کے مزار پر ہونے والے دھماکے میں اس کا سنہرا گنبد تباہ ہوگیا۔ شیعہ سُنّی تعصب کی اس آگ نے آبادی کا تناسب تبدیل کر دیا۔ فرقہ وارانہ تعصب خانہ جنگی میں تبدیل ہوگیا جس میں چھے لاکھ لوگ لقمۂ اجل بنے۔

تعمیرنو کا کام بہت سست رو تھا (کچھ علاقوں میں نہ ہونے کے برابر) اور اس میں غیرملکی کمپنیوں، خصوصاً ڈک چینی کی ملکیتی اور ماتحت کمپنیوں نے بے تحاشا 'جنگی نفع' کمایا (ص۲۳۷)۔ ان ترقیاتی منصوبوں پر کام نامکمل رہا اور جو ہوا وہ بھی ناقص۔ فوج چنیدہ صحافیوں کو رشوت دے کر فتح کی جھوٹی خبریں شائع کراتی رہی۔ لیکن اس جھوٹے پروپیگنڈے کا اُلٹا اثر ہوا (ص۲۳۹)۔ جسے وہ 'مختصر، تیز تر اور کم خرچ' سمجھے تھے، اس نے متوقع جلد فائدے کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

اخراجات ۵۰ ارب ڈالر سے ۳ کھرب ڈالر تک جا پہنچے۔ اس میں زخمی اور معذور فوجیوں کے علاج اور معاوضے کے مستقبل کے اخراجات بھی شامل کرلیں... معذوری کا معاوضہ ۵۰ سال تک اور بہت سے زخمیوں کی اگلے دسیوں برسوں تک مسلسل دیکھ بھال... اس سے جو بجٹ خسارا ہوا اس نے امریکا کو چین سے قرض مانگنے پر مجبور کر دیا۔ بش کی اس غلطی کو 'تباہ کن ناکامی' قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس باب کے دوسرے حصّے میں مصنف نے انسداد بغاوت کے لیے کیے گئے مختلف اقدامات کا احاطہ کیا ہے۔ عراق سٹڈی گروپ کی تیار کردہ ایک مستند رپورٹ کو مسترد کرنے کے بعد بش انتظامیہ نے اپنی فوج میں اضافے کی حکمت عملی جاری رکھتے ہوئے عراق میں ۲۰ ہزار اضافی فوج بھیج دی، جو دگنا اضافہ تھا۔ جہاں اس نے زمینی فوج کی تعداد میں اضافہ کیا وہیں زمینی گشت

ہرممکن حد تک کم کر دیا۔ اس عمل کو سارے امریکا میں ہدف تنقید بنایا گیا۔ بی بی سی کا ایک سروے اس ناکامی کو اجاگر کرتا ہے۔ (ص ۲۷۰)

فوجی، معاشی اور سفارتی محاذوں پر ناکامی کے بعد بش انتظامیہ نے شراب کے شوقین عرب شیخوں کے ساتھ القاعدہ پر قابو پانے کے لیے تعاون کے معاہدے کر لیے۔ ان کے ساتھ ہزاروں ڈالر کی شراب اور وہسکی کی فراہمی کا وعدہ کیا گیا۔ اس باب میں گراف، چارٹ اور بار چارٹ سے بھی مدد حاصل کی گئی ہے۔ مصنف نے مختلف ذرائع سے حوالے شامل کیے ہیں۔ دستاویزی اور شماریاتی اعداد و شمار مصنف کی علمی قابلیت کا ثبوت ہیں۔

انتخابات کا ڈھونگ

باب ششم میں قابض فوج کے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے رچائے گئے اس مضحکہ خیز انتخابی ڈھونگ کا ذکر ہے جو متنوع خطرات اور نامناسب ووٹر لسٹوں کے باوجود منعقد کیا گیا۔ وائسرائے پال برمر نے جلاوطن عراقی رہنماؤں فیصل استر آبادی اور سلیم شیلابی کو ہدایت کی کہ وہ عراق کا نیا آئین مرتب کریں، اس تنبیہ کے ساتھ کہ اگر اسلام کو مرکزیت دی گئی تو وہ اسے 'ویٹو' بھی کر سکتا ہے (ص ۲۷۹)۔ کئی ایک شقیں جمہوریت کی کھلی نفی کرتی تھیں۔ امریکا میں مقیم ۷۰ ہزار عراقیوں میں سے صرف ۳۵۰ کو ووٹ کا حق دیا گیا (ص ۲۸۳)۔ جو آن کول نے کہا: ''عراقی انتخابات ایک آفت کی آمد کا مظہر ہیں'' (ص ۲۸۳)۔ نیو یارک ٹائمز نے قومی تعمیر نو کے بغیر قومی انتخابات کے لیے بے وقوفانہ جلد بازی کی شدید مذمت کی (۲۸۳)۔ اس کا سب سے مضحکہ خیز پہلو یہ تھا کہ ان کی نگرانی اردن کے شہر عمان میں بیٹھ کر کی گئی (ص ۲۸۴)۔ ۲۰ فی صد سے بھی کم سُنّی آبادی نے انتخابات میں حصّہ لیا (ص ۲۸۶)۔ اربوتھناٹ نے اسے تاریخی نوعیت کا مذاق قرار دیا (ص ۲۸۷)۔ یہاں تک کہ انتخابات کا دوسرا دور (دسمبر ۲۰۰۵ء) بھی (انتخاب سے پہلے) کرفیو میں ہی مکمل ہوا (ص ۲۸۸)۔ شیعہ آبادی کو امید تھی کہ انتخابات امریکی انخلا کے لیے راستہ صاف کریں گے، مگر وزیراعظم نے انتخاب کے بعد سب سے پہلے جس چیز کا مطالبہ کیا وہ امریکی قبضے کی مدت میں اضافہ تھا (ص ۲۸۹)۔ چونکہ صدر بش نے اس کے لیے ایک حتمی تاریخ دے رکھی تھی، ''اس نے ملک کی تقسیم اور خانہ جنگی کی دھمکی کے ذریعے ایک مسودہ تیار کرا لیا''۔ (ص ۲۹۳)

آئین اس طرح بنایا گیا ہے کہ یہ اسلامی اقدار کا خاتمہ کر سکے۔ مثال کے طور پر آئین مرد اور عورت کا بغیر شادی کے اکٹھا رہنے اور ہم جنس پرستی کو تسلیم کرتا ہے، جسے اسلامی شریعت ناجائز اور قابل نفرت گردانتی ہے۔ مغرب عراق کو اسلامی شریعت کے قلعے میں دراڑیں ڈالنے کے لیے تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے (ص ۲۹۶)۔

عراق کی تقسیم کے بارے میں ابتدائی طور پر عراق نے یہ سمجھا تھا کہ شاید متحدہ عراق قائم نہ رہ پائے گا۔ نئے آئین نے بھی اس مسئلے کو حل نہ کیا اور کردستان کو الگ جھنڈا اور امریکا میں الگ نمایندگی کا حق دے دیا (ص ۳۰۰)۔ ملک اس وقت تین فرقوں شیعہ، سُنّی اور کرد کے الگ الگ علاقوں میں تقسیم ہے۔ گلبریتھ واضح الفاظ میں کہتا ہے: ''بغاوت، خانہ جنگی، ایرانی حکمت عملی کی فتح، عراق کی تقسیم، آزاد کردستان اور ایک فوجی دلدل ___ یہ سب امریکا کے عراق پر حملے کے وہ نتائج ہیں جن کا بش انتظامیہ پیشگی اندازہ نہیں کر سکی'' (ص ۳۰۲)۔ اس طرح موجودہ صورت حال مشرق وسطیٰ میں توازن کے قیام کے لیے وہ خطرہ ہے جس کے نتائج بہت گمبھیر ہوں گے۔ (ص ۳۰۳)

بش بلیئر سازش کا جائزہ اور عالمِ اسلام

ساتویں باب میں ڈاکٹر منظور عالم مشرق وسطیٰ میں بش بلیئر سازش کے کردار کا جائزہ لیتے ہوئے کھل کر اسلامی نقطۂ نظر پر بحث کرتے ہیں۔ اسلام سے نفرت نے ان جنگی سوداگروں کو اُکسایا کہ وہ 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کے نام پر نہ صرف افغانستان اور عراق میں دہشت کا بازار گرم کریں، بلکہ ایران، ترکی، لبنان اور فلسطین میں بھی اپنے شیطانی منصوبوں پر عمل درآمد کر سکیں۔ اسلام سے زبانی کلامی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے عراق اور افغانستان کے آئین میں قابض فوجوں کی ہیرا پھیری نے شریعت کو بے وقعت اور قرآن کو اس حد تک غیر متعلّق بنا دیا کہ وہاں کے عوام کو 'جمہوری' بنانے کے لیے لبرل ترمیمات کی ہر وقت گنجایش رکھی گئی ہے۔ یہ باب بتاتا ہے کہ متعصب امریکا نے کیسے ایران کے پُرامن ایٹمی پروگرام سے وابستگی کو یقینی بنایا۔ گو کہ امریکا ایک تیسری جنگ ایران میں بھی چھیڑنا چاہتا تھا، لیکن اندرونِ ملک احتجاج نے اسے خودکشی کی اس کوشش سے باز رکھا۔

ترکی کا یورپی کونسل میں داخلہ بھی بش بلیئر گٹھ جوڑ نے ناکام بنایا۔ اسی طرح انھوں نے

ہمیشہ 'بدی کے محور' (axis of evil) کے تیسرے رکن، بدمعاش اسرائیل کے مفادات کے تحفظ کے لیے شرم ناک حربے استعمال کیے اور فلسطینیوں کے لیے کی گئی امن کی کوششوں کے خلاف اسے غیر متزلزل تعاون فراہم کیا۔ تاہم، یہ لبنان تھا جس نے اسرائیلی منصوبوں کو شرم ناک شکست سے دوچار کیا۔ شدید جانی نقصان اٹھانے کے باوجود، حزب اللہ نے اسے کچل دینے اور فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دینے کے اسرائیلی منصوبوں کو شدید دھچکا لگایا۔ نہ صرف اس واقعے کے منفی فوجی اور معاشی اثرات اسرائیل پر پڑے، بلکہ اس نے خود امریکا کو اس کی حیثیت یاد دلا دی۔

آخری باب سارے منظرنامے پر نظرثانی کرتا ہے اور سامراجی منصوبوں اور مذہبی جنونیت کے علاوہ اپنے بچاؤ کے لیے دنیا پر غلبے کے امریکی عزم کا ذکر کرتا ہے۔ چارٹ، نقشوں اور اعداد و شمار کے علاوہ مصنف اپنی بحث ایک نصیحت کے ساتھ سمیٹتا ہے جو ایک بار پھر بہرے کانوں سے ٹکرا کر لوٹ آئے گی۔

کتاب کے اختتامیے میں مصنف اوباما کی فتح کو بش پروپیگنڈے کی مکمل شکست اور تردید قرار دیتا ہے۔ چند اہم فیصلے مصنف کو امید دلاتے ہیں کہ شاید محتاط حکمت عملی مسلمانوں کی مجروح نفسیات پر مرہم رکھ سکے۔ تاہم، اسامہ کو مارنے اور ڈبونے میں کامیاب ہونے کے ساتھ ساتھ اوباما جنگ کے میدان کو پاکستان تک وسعت دینے میں کامیاب ہوگیا ہے، جس کی ہمت بش بھی نہ کر پایا تھا۔ ۲۰۱۴ء تک افغانستان سے فوجی انخلا کا اعلان کر کے اوبامہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اپنا انتخابی وعدہ پورا کر دیا ہے۔ تاہم، عراق، فلسطین اور دوسری جگہوں پر ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے۔

یہ کتاب ایک شاہ کار ہے۔ اعداد و شمار، نقشوں اور چارٹوں کی مدد سے مصنف نے ایک گھناؤنی کہانی خوش اسلوبی سے بیان کی ہے۔ ہر وہ شخص جو اس تباہ کن منظرنامے سے واقفیت چاہتا ہے، اس کتاب سے ضرور استفادہ کرے، قطع نظر اس کے کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں، یا سیاست اس کا مضمون ہے یا نہیں۔ (بہ شکریہ: پندرہ روزہ ملّی گزٹ، دہلی، ۳۰ ستمبر ۲۰۱۱ء)

عالمِ عرب کا بدلتا ہوا نقشہ

حافظ محمد ادریس

عالم اسلام میں طویل عرصے تک آمریت وملوکیت اور مارشل لاؤں کی سیاہ رات چھائی رہی ہے۔ عرب دنیا تو بالخصوص بنیادی حقوق سے مکمل طور پر محروم کردی گئی تھی۔ اس سال کے آغاز سے تیونس سے شروع ہونے والی انقلابی لہر نے دیکھتے ہی دیکھتے تمام عرب ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تیونس، مصر اور لیبیا سے آمریت کا خاتمہ ہوا اور شام اور یمن انقلاب کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ اب تک تیونس کا انقلاب ایک مرحلہ طے کر کے اگلے مراحل میں داخل ہو چکا ہے۔

● **تیونس**: تیونس میں اسلامی تحریک نہضت کی، ابتدائی اطلاعات کے مطابق، ۵۲ فی صد ووٹوں کے تناسب سے ۲۱۷ میں سے ۱۱۵ نشستوں پر کامیابی کی خبریں آرہی تھیں۔ حتمی نتائج مرتب ہوتے ہوتے نہضت کے ووٹ ۴۲ فی صد پر آگئے اور ان کی نشستیں ۹۰ رہ گئیں۔ بہرحال نتائج کو سب جماعتوں نے تسلیم کیا ہے اور انتخابی عمل کو شفاف قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی تحریک نہضت کو اکثریت حاصل نہیں مگر وہ ملک کی سب سے بڑی پارٹی ہے۔ دیگر ۱۲۷ نشستیں تین درجن پارٹیوں اور چند آزاد ارکان کے درمیان تقسیم ہوگئی ہیں۔ دوسرے نمبر پر آنے والی پارٹی سیکولر ہے اور اس کی نشستوں کی تعداد ۴۰ سے بھی کم ہے۔ تحریک اسلامی کے قائد راشد الغنوشی نے خود حکومت کا کوئی منصب قبول کرنے کے بجائے تحریک نہضت کے سیکرٹری جنرل حمادی جبالی کو وزیر اعظم نامزد کیا ہے۔ کئی پارٹیوں نے ان کے ساتھ مخلوط حکومت بنانے کے لیے گفت وشنید شروع کر دی ہے۔ کئی پارٹیاں جو انتخابات سے قبل ان کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کر رہی تھیں، انتخابات کے بعد انھیں بھی اپنا موقف بدلنا پڑا ہے۔ ان کے خلاف سب سے زیادہ یہ پروپیگنڈا کیا جاتا تھا کہ وہ عورتوں

کے حقوق سلب کرلیں گے مگر یہ حقیقت پوری دنیا کے لیے حیران کن تھی کہ پارلیمان میں کل ۴۹ خواتین کامیاب ہوئی ہیں جن میں سے ۴۲ کا تعلّق تحریک اسلامی سے ہے۔ باقی سات ارکان دیگر پارٹیوں کے درمیان تقسیم ہیں۔

حکومت سازی کے لیے حالیہ گفت وشنید کے دوران البتہ نامزد وزیراعظم جناب الجبالی کی طرف ایک تبصرہ منسوب کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی پارٹی کے ایک اجلاس میں اپنے حامیوں سے کہا ہے کہ ان شاء اللہ ہم چھٹی خلافت راشدہ قائم کرنے کے مرحلے میں ہیں۔ التکاتل پارٹی کے نمایندے حُمَیس کَسِیْلہ نے رائٹر کے مطابق اس بیان کو بنیاد بنا کر یہ الزام لگایا ہے کہ نہضت بنیاد پرستی کی طرف گامزن ہے۔ اگرچہ ابھی تک انھوں نے باہمی مذاکرات کے بائیکاٹ کا اعلان نہیں کیا مگر یہ خدشہ ظاہر کیا کہ ممکن ہے اس صورت حال میں مخلوط حکومت بنانے اور دستور سازی کے مرحلے میں اتفاق نہ ہوسکے۔ اسلامی پارٹی کے سربراہ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ آئیڈیلز کا تذکرہ اور چیز ہے اور معروضی حالات میں سب کے جذبات کا احترام دوسری بات۔ ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ سب کو ساتھ لے کر چلا جائے لہٰذا کسی کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔

● **مصر**: مصر اور لیبیا میں فراعنہ وقت کا تختہ الٹ دیا گیا ہے۔ مصری ۲۸ نومبر ۲۰۱۱ء کو انتخابات کے میدان میں اتریں گے۔ امیدِ واثق ہے کہ اگر انتخابات آزادانہ ہوئے تو یہاں بھی اخوان المسلمون کی سیاسی جماعت حزب الحریۃ والعدالۃ سب سے بڑی پارلیمانی پارٹی کے طور پر اُبھرے گی۔ مصر میں حسنی مبارک اور اس کے خاندان کے مقدمات عدالتوں کے سامنے آچکے ہیں۔ اس کی حکمران پارٹی پر پابندی لگ گئی تھی مگر مصر کی ایک عدالت نے حالیہ فیصلے میں اس کے امیدواروں کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دے دی ہے۔ سیاسی میدان میں مختلف پارٹیاں آپس میں اتحاد کر رہی ہیں۔ اخوان نے تحریک آزادی کے ہیرو سعد غلول پاشا کی قدیم پارٹی حزب الوفد کے ساتھ مل کر ایک فرنٹ بنایا ہے۔ بعض دیگر اسلامی گروپ بالخصوص سلفی حضرات نے جمال عبدالناصر کے حامیوں اور بعض دیگر سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ابتدائی مرحلے میں اتحاد کیا مگر بہت جلد سلفی لیڈر انجینیر عاصم عبدالماجد نے اس اتحاد سے نکلنے کا اعلان کردیا۔ انھوں نے کہا کہ پہلی ملاقات میں ہمیں ۱۵۰ سے ۲۰۰ تک نشستوں پر امیدوار نامزد کرنے کی پیش کش کی گئی تھی،

بعد میں ہمیں بتایا گیا کہ صرف ۸۰ نشستوں پر ہمارے نمایندے ہوں گے اور آخری پیغام یہ ملا کہ ہمارے امیدوار ۲۰ سے زیادہ نہیں ہوسکتے۔

اخوان کی قائم کردہ پارٹی حزب الحریۃ والعدالۃ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر سعد الکتاتنی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ سابق صدر کی کالعدم نیشنل پارٹی کو عبوری عسکری کونسل کی تائید حاصل ہے، جس سے حکومت کی غیر جانب داری مشکوک ہوجاتی ہے۔ اس دوران مصر میں ۱۹ سال کے بعد میڈیکل ایسوسی ایشن کے قومی اور علاقائی انتخابات منعقد ہوئے ہیں، جس میں پہلی مرتبہ حکومت کی مداخلت کے بغیر ڈاکٹروں نے اپنی راے کا اظہار کیا ہے۔ اس میں اخوان کے امیدوار ڈاکٹر محمد خیری عبدالدائم مرکزی صدر منتخب ہوئے ہیں، جب کہ مجلس عاملہ کی بیش تر نشستیں بھی اخوان ہی کو ملی ہیں۔ ۲۷ صوبائی دارالحکومتوں میں سے ۱۵ میں اخوان کے ارکان صدر، سیکرٹری اور مجلس عاملہ کی اکثریتی نشستوں پر کامیاب ہوئے ہیں۔ ان انتخابات کے بعد ہی حسنی مبارک کی کالعدم پارٹی کو بحال کرنے اور ان کے نمایندوں کو انتخاب میں جانے کی عدالتی کارروائی سامنے آئی ہے۔ المجتمع نے قاہرہ سے محمد جمال عرفہ کا ایک تجزیہ اور اپنے نمایندے کی ایک رپورٹ شمارے ۱۹۷۴ء، ۲۲-۲۸ اکتوبر، میں شائع کی ہے جس میں بہت سی تفصیلات سامنے آئی ہیں کہ مصر میں آزادانہ انتخابات کی صورت میں اخوان ان شاءاللہ بڑی قوت بن کر ابھریں گے۔

● **لیبیا**: جہاں تک لیبیا کا تعلّق ہے، قذافی اور اس کے دو بیٹے تو انقلابی قوتوں نے موت کے گھاٹ اتار دیے تھے، جب کہ اس کی دونوں بیویاں اور کئی ایک بچے مختلف ممالک میں پناہ گزین ہیں۔ اس کا بیٹا سیف الاسلام قذافی عبوری کونسل کی تحویل میں ہے اور اس کے خلاف کرپشن، قتل عام اور جنگی جرائم کے تحت مقدمے کی تیاری ہورہی ہے۔ لیبیا میں جب تحریک اٹھی تو قذافی نے آہنی ہاتھ سے اسے کچلنا چاہا۔ آغاز میں تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ فوجی اسلحے اور بکتر بند دستوں کے سامنے عوام بے بس ہوجائیں گے مگر آہستہ آہستہ اپوزیشن کے ساتھ قذافی کے کئی قریبی ساتھی اور بعض فوجی یونٹ ملتے چلے گئے اور عوامی تحریک نے زور پکڑلیا۔ عوامی تحریک کو کامیاب ہوتا دیکھ کر ناٹو افواج نے بھی مداخلت کردی۔ ابتدا میں اس مداخلت کے خلاف آواز اُٹھی لیکن انقلابی قیادت کا رویہ بتدریج ناٹو کے بارے میں نرمی کی طرف مائل ہوتا چلا گیا۔ بالآخر قذافی کی موت سے

عوامی تحریک کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔ گذشتہ دنوں جب عبوری کونسل کے سربراہ مصطفیٰ عبدالجلیل نے اعلان کیا کہ لیبیا کا نیا آئین اسلامی ہوگا اور غیر شرعی قوانین کالعدم قرار پائیں گے، تو اس سے امریکا میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ تاہم آیندہ کی صورتِ حال پوری طرح واضح نہیں۔

لیبیا کے عوام طویل آمریت کے مظالم برداشت کرنے کے باوجود اسلام پر کاربند رہے ہیں اور تاریخی لحاظ سے سنوسی دور سے لے کر اب تک لیبیا میں گھر کا ماحول اسلامی اقدار کا محافظ رہا ہے۔ اب یہاں اگلے مراحل میں قوم کا کڑا امتحان ہوگا۔ ایک جانب قذافی کی باقیات بھی ابھی تک بعض علاقوں میں موجود ہیں۔ مغربی سوچ رکھنے والے عناصر بھی میدان سیاست میں منظّم ہو رہے ہیں اور قبائلی سردار بھی نئے سیاسی سیٹ اپ میں اپنا حصّہ طلب کر رہے ہیں۔ ان سب کے درمیان اسلامی سوچ رکھنے والے لوگ اگرچہ تعداد میں زیادہ ہیں مگر ابھی تک ان کی کوئی منظّم تحریک سامنے نہیں آسکی۔ اگرچہ الاخوان المسلمون لیبیا کے نام سے تحریک نہ صرف موجود ہے بلکہ عبوری کونسل میں بھی شامل ہے لیکن ان کی پالیسی یہی ہے کہ اپنی شرکت کو زیادہ نمایاں نہ کیا جائے۔

بی بی سی کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ لیبیا میں اخوان کے اثرات پائے جاتے ہیں اور تیونس و مصر کی تبدیلیاں لیبیا کے عوام کو بھی متاثر کریں گی۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو مگر یہ ایک لحاظ سے اسلام دشمن مقامی و عالمی قوتوں کو خبردار کرنے کی بھی سازش ہوسکتی ہے۔ المجتمع کے تجزیہ نگار عبدالباقی خلیفہ نے لیبیا کے انقلاب کے بعد کی صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قذافی نے ۲ سو ارب ڈالر ملک سے باہر مختلف ممالک میں منتقل کیے تھے۔ اب مغرب کی نظریں لیبیا کے قدرتی وسائل کے علاوہ ان رقوم پر ہیں جو سابق حکمران اور اس کے خاندان نے مختلف اکاؤنٹس میں جمع کرا رکھی ہیں۔ تجزیہ نگار کے بقول لیبیا کے عوام اسلام سے بہت قریب ہیں مگر ابھی تک صورتِ حال واضح نہیں۔ مغربی قوتیں لیبیا کو تقسیم کرنے کی سازشیں بھی کر رہی ہیں اور لیبیا میں کئی ایک متحارب قوتیں موجود ہیں، جو مسلح بھی ہیں۔ خدا نہ کرے کہ ان کے درمیان پھر کوئی خون ریزی شروع ہو جائے اور آمریت کے بعد کا سہانا خواب بدقسمتی سے چکنا چور ہو جائے۔
(المجتمع، شمارہ ۱۹۷۵، ۱۹/اکتوبر تا ۴ نومبر ۲۰۱۱ء)

● **شام**: ۲ کروڑ سے زائد آبادی پر مشتمل ملکِ شام تاریخ میں بڑا مقام رکھتا ہے۔ یہاں

کا ایک اقلیتی فرقہ نُصیری فوجی انقلاب کے ذریعے حافظ الاسد کی صورت میں ۱۹۶۹ء میں حکومت پر قابض ہوا۔ حافظ الاسد کے آمرانہ دور میں نصیری حکومت نے مظالم کی سیاہ ترین تاریخ رقم کی اور باپ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا بشارالاسد ۲۰۰۰ء سے اب تک اپنے باپ کے مظالم کی تاریخ دہراتا چلا آرہا ہے۔ کئی مرتبہ مختلف شہروں بالخصوص حماۃ، حلب اور حمص میں شامی عوام ظالم حکمرانوں کے خلاف سڑکوں پر نکلے مگر ہر مرتبہ فوج نے انھیں بری طرح سے کچلا۔ موجودہ تحریک تیونس اور مصر کے ساتھ ہی شروع ہوئی۔ اب تک کے اعداد و شمار کے مطابق ۳ہزار سے زائد مظاہرین اور دیگر شہری موت کے گھاٹ اتارے جاچکے ہیں، جب کہ شامی حکومت نے اپنے ایک بیان میں یہ کہا ہے کہ ان کے ۱۱۰۰ فوجی اور پولیس اہل کار بھی انقلابیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔

عرب لیگ نے یکے بعد دیگرے اپنے تین اجلاسوں میں شامی حکومت کو فی الفور تشدد بند اور اپوزیشن سے مذاکرات کرنے کی قرار دادیں منظور کی ہیں۔ ان قرار دادوں پر ماسوائے شام، لبنان اور یمن کے تمام عرب ممالک متفق تھے۔ رباط میں ہونے والے لیگ کے آخری اجلاس مورخہ ۱۶ نومبر ۲۰۱۱ء میں عرب لیگ نے پھر شام کے خلاف قرارداد منظور کی ہے اور اس کے معاشی بائیکاٹ کی بھی حمایت کی ہے۔ اس اجلاس میں شام شریک نہیں ہوا تھا۔ ترکی کے وزیر خارجہ احمد داؤد اوغلو خصوصی دعوت پر اجلاس میں شریک تھے۔ انھوں نے بھی وہاں اعلان کیا کہ ترکی نے شام کو اسلحے کی سپلائی پر پہلے ہی پابندی لگا دی ہے اور اب شام کے ساتھ تجارتی تعلقات منقطع کرنے اور اس کو بجلی کی ترسیل بھی بند کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ دمشق میں بشارالاسد کے نصیری حامیوں اور حکومتی کارندوں نے فرانس، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور ترکی کے سفارت خانوں پر حملے کیے اور ان ممالک کے پرچم جلائے۔ اس پر ترک صدر، وزیراعظم اور وزیر خارجہ نے سخت ترین الفاظ میں احتجاج کیا اور شام کو نتائج و عواقب کی وارننگ دی۔ ساتھ ہی مطالبہ کیا کہ شامی حکومت فی الفور اس جرم پر معذرت کرے۔ چنانچہ شام کے وزیر داخلہ نے اس پر معذرت کی ہے۔ فرانس اور دیگر ممالک نے بھی احتجاج کیا ہے اور اپنے سفیروں کو واپس بلا لیا ہے۔ (روزنامہ ڈان، ۱۶ نومبر ۲۰۱۱ء)

او آئی سی کے اجلاس میں بھاری اکثریت سے مسلمان ممالک نے یہ قرارداد منظور کی کہ

بشارالاسد ہوش کے ناخن لیں اور خود کو کرنل قذافی جیسے انجام سے بچالیں۔ اجلاس کے بعد او آئی سی کے سیکرٹری جنرل اکمل الدین احسان اوغلو نے میڈیا کو بریفنگ دیتے ہوئے کہا کہ شامی صدر کی ہٹ دھرمی ان کے لیے ہی نہیں پورے ملک اور خطے کے لیے تباہ کن ثابت ہوسکتی ہے۔ اسرائیل سے متصل یہ مسلمان ملک ایک حساس مقام کا حامل ہے اور بحالات موجودہ عالمی جنگ کا اکھاڑا بھی بن سکتا ہے۔ بشارالاسد کی آہنی گرفت کے باوجود تجزیہ نگار رابرٹ فسک کو دمشق ٹی وی نے ایک تجزیاتی پروگرام میں مدعو کیا تو اس نے شامی صدر کو بے لاگ انداز میں اپنے غلط موقف کو بدلنے کی تلقین کی۔ اس نے بتایا کہ بشارالاسد کے بعض فوجی، مظاہرین کے ساتھ مل گئے ہیں۔ انھوں نے آزاد شامی فوج کے نام سے ایک حکومت مخالف محاذ بھی قائم کرلیا ہے مگر کلاشنکوف اور رائفلوں سے بکتر بند گاڑیوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بکتر بند دستے جب بغاوت کریں گے تو دھڑن تختہ ہوجائے گا۔ (ڈان، بحوالہ انڈی پنڈنٹ، ۱۶/نومبر ۲۰۱۱ء)

حکومت مخالف جماعتوں نے شامی قومی کونسل بھی تشکیل دی ہے۔ اس کے ۷۱/ارکان میں سے ۳۴/اخوانی ہیں۔ گویا اخوان المسلمون کے اثرات نمایاں ہیں لیکن سیکولر عناصر سخت قوانین کے نفاذ کے خلاف ہیں۔ تاہم اس اختلاف کے باوجود عوامی مزاحمت آگے بڑھ رہی ہے۔ یورپی یونین، ناٹو ممالک اور او آئی سی سبھی نے بشارالاسد کے مظالم کی مذمت کی ہے۔ شام کی حمایت کرنے والے ممالک میں ایران، لبنان، روس اور چین شامل ہیں۔ المجتمع کی تجزیہ نگار سیدہ فادی شامیہ نے بیروت سے لکھا ہے کہ لبنان حکومت حزب اللہ کے زیر اثر شام کی نصیری حکومت کا ساتھ دے رہی ہے، مگر لبنانی عوام منقسم ہیں۔ کچھ اپنی حکومت کے ساتھ ہیں اور نصف سے زائد شامی عوام کے حامی ہیں۔ اگر شامی حکومت گرے گی تو لبنان کی موجودہ حکومت بھی برسراقتدار نہیں رہ سکے گی۔ (المجتمع، کویت، شمارہ ۱۹۷۴، ۲۲-۲۸/اکتوبر ۲۰۱۱ء)

● **یمن:** جہاں تک یمن کا تعلّق ہے تو یہاں صدر علی عبداللہ صالح ۱۹۶۲ء سے شمالی یمن اور متحدہ یمن کا سربراہ ہے۔ اس کے خلاف یمن میں تحریک بہت مضبوط بنیادوں پر اٹھی ہے۔ علی عبداللہ صالح ایک بم دھماکے میں شدید زخمی بھی ہوا اور سعودی عرب میں زیر علاج رہا۔ اس تحریک کے دوران لاکھوں لوگ کئی ماہ سے سڑکوں پر ہیں اور ان کا عزم ہے کہ آمریت سے نجات

تک وہ چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ خلیجی ممالک کی مجلس نے تین مرتبہ علی عبداللہ صالح کو اپنی قراردادوں کے ذریعے مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے وعدوں کے مطابق حکومت چھوڑ دے اور عبوری نظام کے ذریعے ملک میں تبدیلی لانے کا راستہ ہموار کرے۔ اسی طرح سے اقوام متحدہ نے بھی مطالبہ کیا ہے کہ یمنی صدر اپنی ضد چھوڑ کر اپنے وعدوں کے مطابق ایوانِ اقتدار سے رخصت ہو مگر وہ ہر دفعہ اپنے وعدوں سے منحرف ہو جاتا ہے۔ صدر علی عبداللہ صالح نے پہلے تو یہ کہا تھا کہ وہ اقتدار نائب صدر کو منتقل کر دے گا مگر بعد میں اس سے منحرف ہوگیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر میں نے اقتدار چھوڑ دیا تو یہاں اخوان المسلمون اور القاعدہ برسراقتدار آجائیں گے۔ اس دوران صنعا میں برطانیہ کے سفیر نے کہا ہے کہ ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ عوام کی راے سے کون برسراقتدار آتا ہے۔ اگر بنیادی انسانی حقوق اور جمہوریت کی ضمانت مل جائے تو ہمیں اخوان کی حکومت سے بھی نہ کوئی خطرہ ہے نہ پرخاش۔

یمن میں اسلامی تحریک حزب الاصلاح الاسلامی کے راہ نما شیخ صادق الاحمر نے کہا ہے کہ صدر صالح حواس کھو بیٹھے ہیں۔ ان کی زبان سے جھوٹ کے سوا کچھ برآمد نہیں ہو رہا اور ملک پر عملاً ان کی حکومت ختم ہوچکی ہے۔ ان کا وجود محض سرکاری ٹیلی وژن، ریڈیو اور صدارتی محل تک محدود ہوگیا ہے۔ اقوام متحدہ کے نمایندے جمال بن عمر جو دو ہفتے صنعا میں صدر صالح کو اپنے وعدوں کا پاس کرنے کی تلقین کرتے رہے، بالآخر ناکام واپس چلے گئے ہیں۔ صنعا سے المجتمع کے نمایندے عادل امین نے اپنے تجزیے میں لکھا ہے کہ صدر صالح پر اب کوئی آدمی اعتماد نہیں کرتا۔ انھوں نے سیاسی راہ نما محمد قحطان کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس شخص کا جھوٹ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ تین مرتبہ اس نے اعلان کیا کہ وہ خلیجی کونسل کے فیصلے پر دستخط کر دے گا مگر ہر دفعہ وہ اس سے مکر جاتا رہا۔ تجزیہ نگار کا خیال ہے کہ صدر کا انجام وہی ہوگا جو لیبیا کے معمر قذافی کا ہوا ہے۔ اگر حکومت کے گرنے کے بعد یہاں آزادانہ انتخابات ہوتے ہیں تو یمن کی اسلامی تحریک التجمع الیمنی للاصلاح کے سب سے بڑی پارلیمانی پارٹی کے طور پر کامیاب ہونے کے امکانات تمام مغربی اور عربی تجزیہ نگاروں کے رشحاتِ قلم میں پڑھے جاسکتے ہیں۔

یمن کی حریت پسند خاتون توکل کرمان کو امن کا نوبل پرائز ملا ہے۔ یہ الاصلاح کی رکن شوریٰ

اور تحریک حریت میں اگلی صفوں میں کام کرنے والی خاتون ہیں۔ ان کے انعام کی خبریں مغربی اور عربی ذرائع ابلاغ میں بہت نمایاں طور پر عوام تک پہنچتی رہی ہیں۔ سڑکوں پر نکلنے والے عوام اور نوجوان زیادہ تر اسلامی تحریک کے ارکان اور مؤیدین ہوتے ہیں۔ المجتمع کے شمارہ ۱۹۷۳ اور ۱۹۷۴ میں صنعا سے عادل امین نے بہت تفصیلی رپورٹس بھیجی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جلد ہی یمن میں آمریت کا باب ختم ہونے والا ہے۔ امید ہے تیونس کی طرح یمن سے بھی ان شاء اللہ اہل ایمان کو خوش خبریاں ملیں گی، وباللّٰہ التوفیق۔

عالمِ عرب میں برپا ہونے والے انقلاب کے بارے میں مغرب اور سیکولر عناصر کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ ظلم و ناانصافی، آزادیِ اظہار پر پابندی اور معاشی استحصال کے خلاف ردعمل ہے، اس کا اسلام یا اسلام پسندوں سے کوئی تعلق نہیں۔ دوسری طرف یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ اسلام پسند آ گئے تو سخت قوانین نافذ کریں گے، پابندیاں عائد کریں گے بالخصوص خواتین کے حقوق پر زد پڑے گی۔ لیکن تیونس کے انتخابات نے یہ بات واضح کردی کہ 'عرب بہار' دراصل اسلامی انقلاب کی طرف پیش رفت ہے۔ عوام نے اسلام پسندوں کے حق میں و[illegible] ڈالا ہے اور تیونس میں النہضت کے کامیاب ارکان میں نمایاں تعداد خواتین ارکان کی ہے۔ اسلامی تحریکیں جبر کے بجائے سب کو ساتھ لے کر چلنا چاہتی ہیں اور اعتدال پسندی، رواداری اور انصاف جیسی اسلامی روایات کو آگے بڑھاتے ہوئے معاشرے میں بتدریج تبدیلی لانا چاہتی ہیں۔ اسلامی تحریکوں کی اس حکمت عملی اور اعتدال پسندی کی روش کی بنا پر مغربی اسکالر بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اب اسلامی تحریکوں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

مصر کی انقلابی تبدیلیاں، خطرات ــــــ اور پاکستان کے لیے سبق

ڈاکٹر انیس احمد

۸ کروڑ ۵۰ لاکھ کی آبادی پر مشتمل مصری عوام، فوجی آمر حسنی مبارک کے ۳۰ سالہ جابرانہ دور کے عوامی قوت کے ذریعے خاتمے کے باوجود اپنے خوابوں کی تعبیر کے منتظر اور نام نہاد سپریم کونسل کی شاطرانہ چالوں کا ہدف ہیں۔ حسنی مبارک کی جانشینی ان فوجی سربراہوں نے اختیار کی جن کی اپنی سلامتی حسنی مبارک سے اپنے آپ کو علیحدہ کرنے میں تھی، اور جو ہوا کے رُخ کو دیکھ کر یہ سمجھ چکے تھے کہ اب حسنی مبارک کا باقی رہنا ناممکن ہے۔ چنانچہ وہ معصوم چہرے کے ساتھ عوامی جدوجہد میں اپنا حصّہ ڈالنے کے لیے آگے بڑھے اور مصری انقلابی نوجوانوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ چند ہفتوں میں اقتدار عوام کے حوالے کر دیں گے۔ طاغوتی طاقتوں کا یہ حربہ نیا نہیں ہے۔ عموماً اسی عہد کے ساتھ پاکستان، انڈونیشیا اور دیگر ممالک میں بعض نام نہاد نجات دہندہ سامنے آئے ہیں اور پھر سالہا سال تک اقتدار سے چمٹے رہنے کے بعد بھی بخوشی کرسی چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے ہیں۔

مصر کے تناظر میں جہاں فوج حسنی مبارک کے طویل آمرانہ دور میں معاشی اور سیاسی فوائد سے فیض یاب ہوتی رہی، وہیں فوج کی تربیت اور اس کی فکری رہنمائی امریکی حکومت کے ہاتھ میں رہی۔ اس بنا پر فوج کی اعلیٰ اور درمیانہ قیادت امریکا کی پروردہ ہونے کے سبب امریکا نواز تسلیم کی جاتی ہے۔ امریکی وزیرخارجہ کے حالیہ بیان کو جس میں اس نے سپریم کونسل سے کہا ہے کہ وہ

جلد اقتدار کی منتقلی کی کارروائی شروع کرے، اگر بغیر کسی پس منظر کے پڑھا جائے تو بہت جمہوریت پسندانہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصری عوام امریکا کے مصر میں عمل دخل کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ چونکہ فوج امریکی حکومت سے قریبی تعلق رکھتی ہے اس لیے امریکی وزیرخارجہ کے بیان کا اصل مقصد خود اپنی صفائی پیش کرنا ہے کہ امریکا فوجی کونسل کے مستقل طور پر اقتدار پر قابض رہنے کی حمایت نہیں کرتا۔ گو حقیقتاً یہ امریکا ہی تھا جس نے ۳۰ سال حسنی مبارک کی اندھادھند حمایت کی، اور جہاں کہیں بھی فوجی یا غیرفوجی آمر مسلم دنیا میں اقتدار پر قابض ہوئے امریکا نے ہمیشہ ان کی حمایت اور سرپرستی کا نیک فریضہ جمہوریت کے وظیفے کے ساتھ جاری رکھا ہے۔

عوامی موقف

جہاں تک عوام کے تاثر کا تعلق ہے وہ خود مغربی ذرائع کے مطابق واضح طور پر اسلامیان (Islamists) کے حق میں ہے۔ نیویارک ٹائمز کے تجزیہ نگار کے مطابق ۸۰ فی صد عوام اخوان المسلمون کو پسند کرتے ہیں اور اگر آج غیر جانب دار انتخابات کرائے جائیں تو وہ بھاری اکثریت کے ساتھ پارلیمنٹ میں کامیاب ہوں گے۔ مصری پارلیمنٹ کی ۴۹۸ نشستوں کے لیے تقریباً ۶ ہزار اُمیدواروں کو میدان میں آنا ہے۔ ملک کی زرعی علاقوں اور دیہاتوں کی آبادی روایتی طور پر اسلام سے تعلق رکھتی ہے اور اگر اسے بغیر کسی دھاندلی اور دباؤ کے ووٹ کا حق دیا جائے تو اسلامی جماعتوں خصوصاً اخوان المسلمون کو ووٹ دے گی۔ اخوان نے ۱۹۲۸ء سے عوامی سطح پر کام کیا ہے، عظیم قربانیاں دی ہیں اور ہر دور میں آمروں کے مظالم کا نشانہ بنے ہیں۔ اس کے باوجود انھوں نے عزم و استقامت کے ساتھ اپنی دعوت کو دیہاتوں اور شہروں میں ہر جگہ بہت سلیقے سے پیش کیا ہے۔

آج بھی اخوان کے رہنما عدل و حریت کا علَم لے کر میدان میں آئے ہیں اور اپنے روایتی شعار کی جگہ نئی سیاسی زبان کا استعمال کرتے ہوئے عوام کے بنیادی مسائل روٹی، روزگار، پانی کی فراہمی، زمینوں کی عادلانہ تقسیم، خواتین کے حقوق کی بحالی جیسے اہم بنیادی مسائل کو اپنی انتخابی مہم کا موضوع بنارہے ہیں۔ نتیجتاً مصر کی آبادی کا بڑا حصہ مصر میں اسلامی عدل و انصاف اور حقوقِ انسانی کی بحالی کے لیے اخوان کے موقف کی تائید کررہا ہے۔ یہ امر امریکی حکومت کے لیے بہت

اضطراب اور فکرمندی کا باعث ہے۔ گو وہ عرصے سے یہ کوشش کرتی رہی ہے کہ غیرسرکاری طور پر اخوانی رہنماؤں سے رابطہ رکھے لیکن اس کی اپنی ترجیح فوجی یا نیم فوجی قیادت کے دوبارہ آجانے میں ہوگی کیونکہ اس طرح وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے چند افراد سے معاملہ طے کرتا ہے، جب کہ عوامی نمایندوں کی حکومت کی شکل میں اس کے لیے اتنی تعداد میں افراد کا خریدنا اور انھیں امریکی مفاد کی حمایت پر قائم رکھنا قدرے مشکل ہوجاتا ہے۔ اس کے باوجود ظاہری طور پر امریکی حکومت عوامی خواہش کو اچھی طرح جاننے کے باوجود کوشش کرے گی کہ اسلامی قوتوں کے درمیان آپس میں مقابلہ ہوکر ووٹ تقسیم ہوجائیں اور سیکولر اور سوشلسٹ ذہن کی جماعتوں کو کامیابی حاصل ہو اور اس طرح اسلامی قوتوں کو واضح اکثریت نہ مل سکے۔

تیونس میں بھی امریکی حکمت عملی یہی تھی لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے وہاں تحریک اسلامی نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ اس عشرے میں جو بظاہر تحریکاتِ اسلامی کا عشرہ نظر آرہا ہے، مصر میں حالات جس رُخ پر جارہے ہیں اس میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان شاء اللہ اخوان المسلمون مناسب اکثریت سے کامیاب ہوں گے۔ گو مصر کی قبطی عیسائی آبادی جو اندازاً ۱۰ فی صد بتائی جاتی ہے اسلامی تحریک کی کامیابی کی مخالفت کرے گی۔ نہ صرف عیسائی بلکہ بعض آزاد خیال مسلمان بھی تحریکاتِ اسلامی کے بارے میں یہ غلط تصور رکھتے ہیں کہ یہ 'قدامت پرست'، 'انتہاپسند' اور ماضی میں بسنے والی جماعتیں ہیں۔ حقیقت حال بہت مختلف ہے۔ اخوان المسلمون کی قیادت کی بڑی تعداد ان افراد پر مبنی ہے جو مغرب کی اعلیٰ درس گاہوں سے انجینیرنگ، میڈیکل سائنسز، عمرانی علوم اور دیگر شعبہ ہاے علم میں اعلیٰ سندات لے کر مصروفِ عمل ہیں۔ اخوان کے رہنما عصام العریان نے اپنے حالیہ بیان (۷ نومبر ۲۰۱۱ء) میں واضح طور پر یہ کہا ہے کہ ان کی جماعت جمہوریت اور جمہوری ذرائع پر یقین رکھتی ہے اور وہ انتخابی نتائج جو بھی ہوں انھیں تسلیم کریں گے۔ انھوں نے مزید یہ کہا ہے کہ ان کی جماعت حقوقِ انسانی کی بحالی اور خواتین کے حقوق کے لیے جدوجہد میں یقین رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ اخوان کے زیراثر جو سیاسی جماعت میدان میں ہے اس کا ایک نائب صدر ایک عیسائی قبطی ہے۔

دوسری جانب مصر کی فوجی سپریم کونسل عوامی انقلاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود

یہ چاہتی ہے کہ پارلیمنٹ کے انتخابات تو ہو جائیں لیکن فوج کو فیصلہ کن مقام حاصل رہے۔ اس کے لیے اس کا اصرار ہے کہ اصل فیصلے فوج کی اعلیٰ قیادت کرے، چنانچہ یہ اعلان کیا گیا ہے کہ پارلیمنٹ کے ۱۰۰ نمایندوں پر مبنی ایک کمیٹی بنے گی جو ملک کے نئے دستور کو مرتب کرے گی جس میں دستوری طور پر سپریم کونسل کو حتمی فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے گا!

گویا اس جمہوری جدوجہد اور قیمتی جانوں کی قربانی کے بعد بھی وہی ڈھاک کے تین پات! فرق صرف یہ ہے کہ حسنی مبارک کی جگہ فیلڈ مارشل طنطاوی اور اس کا ٹولہ ملک پر قابض رہے اور پارلیمنٹ محض ایک غیر مؤثر عوامی نمایندوں کے ادارے کے طور پر کام کرتی رہے۔ اس بات کا اظہار مصر کے معروف اخبار الاھرام کے تجزیہ نگار عماد جاد نے بھی کیا ہے کہ مصر کے عوام کی ۵۰ فی صد آبادی اس امر پر متفق ہے کہ مصری سپریم کونسل انقلاب کو ناکام بنانے اور اس کی روح کو ختم کرنے کے درپے ہے اور اس بنا پر انتخابات کا عمل شروع کرانے اور اقتدار منتقل کرنے میں شعوری طور پر تاخیر کی جارہی ہے۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ انتخابات کے بعد بھی ۲۰۱۳ء تک یہی کونسل حکمران رہے گی۔

نیوزویک کے تبصرہ نگار نے مصری عوام سے براہِ راست انٹرویو کرنے کے بعد جو راے قائم کی ہے وہ بھی ہمارے لیے غور کے زاویے فراہم کرتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسلام پسند جماعتوں کو بعض حلقے 'سلفی' کہہ کر ان کے بارے میں ذہنوں میں تحفظات پیدا کرنے میں مصروف ہیں لیکن اس کے اپنے تجربے کے مطابق جن کو سلفی کہا جارہا ہے، یہ وہ حضرات ہیں جو نماز، روزے کی پابندی کے ساتھ عوامی فلاحی کاموں میں مصروفِ عمل ہیں۔ چنانچہ غربیوں کو طبی امداد کی فراہمی اور غریبوں کے علاج کے لیے خون کے عطیات جمع کرنے اور دیہی آبادی میں غریب اور ضرورت مند افراد کے لیے ضروری سہولتیں فراہم کرنے میں ان کا بڑا حصّہ ہے۔

اس کا کہنا ہے کہ ملک کی ایک اقلیت ضرور یہ راے رکھتی ہے کہ حکومت میں اسلام کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے لیکن عوام الناس کی بھاری اکثریت جو کُل آبادی کا تقریباً ۸۰ فی صد ہے، قرآنی نظام کا نفاذ چاہتی ہے۔ لوگ بدعنوانی، بے ایمانی، حکمرانوں کی نفسانفسی اور اپنی ذات کے لیے ہر کام کرنے کی روش سے تنگ آچکی ہے۔ اب وہ عدل و انصاف چاہتے ہیں اور اس بنا پر

اخوان المسلمون کا اپنی سیاسی جماعت کے لیے حریت اور عدل کا اختیار کرنا عوامی جذبات کی صحیح نمایندگی ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستان میں تحریکِ اسلامی کے لیے غور کرنے کے کئی زاویے سامنے آتے ہیں۔ انتخابی حکمت کے حوالے سے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کن مسائل کو مرکزی اہمیت دی جائے۔ اندرونی مسائل اور بیرونی مسائل میں ترجیحات کا تعین غیرمعمولی طور پر معروضیت اور خوداحتسابی کا متقاضی ہے۔

پاکستان میں تحریکِ اسلامی نے امریکا کی دخل اندازی کی پالیسی کی ہر سطح پر مستقلاً مخالفت کی ہے اور عوامی سطح پر 'بھاگ امریکا بھاگ' کے نعرے کو عوامی مقبولیت کی حد تک پہنچا دیا ہے۔ اس سلسلے میں دیکھا جائے تو جماعت کے اس طرزِعمل کا عکس تقریباً عالمی تحریکاتِ اسلامی کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔ مصر ہو یا تیونس، تحریکاتِ اسلامی نے امریکی دخل اندازیوں پر مسلم مفاد کے خلاف بین الاقوامی پالیسی اختیار کرنے پر امریکا کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ لیکن کیا اسے الیکشن کا ایشو بنانا عوامی حمایت کے حصول میں مددگار ہوگا یا اس کے مقابلے میں ملک میں بجلی کا بحران، ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں ناقابلِ برداشت اضافے، بے روزگاری، ملکی اداروں کی تباہی، عدلیہ کے فیصلوں کو نظرانداز کرنا، اہم مناصب پر نااہل افراد کی تقرری، ملک میں لاقانونیت، بدامنی اور عدم تحفظ، فرقہ واریت کا برداشت کیا جانا اور ملک میں کرپشن کا طوفان وہ مسائل ہیں جن کا تعلق ایک عام شہری سے ہے، اور کسی بھی نمایندہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان بنیادی مسائل کے حل کے لیے اپنا مجوزہ حل پیش کرے۔

خارجہ پالیسی کو بھی ایک اہم مقام حاصل ہے اور دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ نے حالات کو بگاڑنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ لیکن مسئلہ focus کا ہے، یعنی وہ چیز جو عوام کو متحرک کرنے کا مؤثر ذریعہ بن سکے۔ اس پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔

تحریکِ اسلامی مصر نے سیاسی محاذ پر ایک نئے نام سے جدوجہد کا آغاز کر کے یہ مثال قائم کی ہے کہ تحریک بغیر کسی تضاد کا شکار ہوئے اپنے دستوری اہداف کے حصول کے لیے نیم خودمختار تنظیم یا ادارہ قائم کرسکتی ہے جس کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ ایسے ادارے سے وابستہ افراد تحریک

کی اخلاقی اور دستوری پابندیوں سے آزاد تصور کیے جائیں گے۔ اس کا مقصد صرف مخصوص سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے ایسی حکمت عملی اختیار کرنا ہے جو تحریک کے سیاسی مقاصد کے حصول میں راے عامہ ہموار کرسکے۔ اس کا یہ مطلب لینا بھی درست نہ ہوگا کہ تحریک صرف تزکیۂ نفس اور تربیت اخلاق کے لیے ہے اور ذیلی سیاسی جماعت سیاسی ہنگامہ خیزی کے لیے۔ نہ اسے کوئی اصولی انحراف کہا جاسکتا ہے۔ تحریکات کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ مباحات کے دائرے میں رہتے ہوئے اور حرام سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے کس طرح حصولِ مقصد کے لیے حکمت عملی میں وقت کے لحاظ سے تبدیلی پیدا کی جائے۔ اگر کسی ایسی حکمت عملی سے تحریک کی پہنچ زیادہ وسیع دائرے تک ہوسکتی ہے تو ایسا کرنا تحریکی مفاد اور دستور کی روح کے مطابق ہی سمجھا جائے گا۔

تحریکاتِ اسلامی کو عموماً دو محاذوں پر مخالفین کی تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک شریعت کا نفاذ، دوسرا خواتین کی آزادی کا مسئلہ۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اصولوں سے انحراف کیے بغیر واضح طور پر یہ بات سمجھائی جائے کہ شریعت کے نفاذ سے ہماری مراد کیا ہے۔ کیا اسلام کا نظامِ قانون صرف سزاؤں پر مشتمل ہے یا اسلامی شریعت دراصل عدل و انصاف کے قیام کا نام ہے۔ اس عدل میں نہ صرف انفرادی طور پر عدل شامل ہے بلکہ ایک فرد کے اپنے نفس کے حقوق کا صحیح طور پر ادا کرنا، اہلِ خانہ کے حقوق کی ادایگی، اعزہ واقربا اور دوستوں کے حقوق کی ادایگی بھی شامل ہے، اس کے ساتھ ہمسایوں اور خصوصاً اہلِ حاجت کے حقوق کی ادایگی معاشرے میں بھلائی کے قیام اور بُرائی کے مٹانے کی کوشش، معاشی استحصال کا خاتمہ اور معاشی عدل کا قیام بھی۔ اسی طرح معاشرتی معاملات میں خواتین کو جو حقوق اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیے، ان کا نفاذ، ان کی تعلیم، صحت، عزت واحترام، گھر اور معاشرے میں ان کا تحفظ۔ پھر ثقافتی میدان میں عدل کا قیام کہ جن اقدار پر ثقافت کی بنیاد ہے، ان کا فروغ اور جو صفات اسلام ناپسند کرتا ہے، ثقافت سے ان کا خاتمہ۔ غرض عدل وانصاف کا قیام بذاتِ خود ایک ایسا موضوع ہے جس پر اگر ایک عام شہری کو اس کی زبان میں اس کے معاشرے کی مثالوں کی مدد سے بات سمجھائی جائے تو وہ سب سے بڑا شریعت کا حامی بنتا ہے گا۔ اسی طرح خواتین کی آزادی کی حدود، اور ان معاملات میں ان کے حقوق کے لیے جنھیں ہمارے معاشرے میں برادری، قبیلے کی روایت اور ذات پات کی ناک کا مسئلہ بنا دیا گیا

ہے۔ان معاملات پر کھل کر موقف کی وضاحت کرنا بہت ضروری ہے۔

یہ تمام امور انتخابی منشور میں وضاحت سے آنے چاہییں اور اس کے ساتھ چھوٹے بڑے اجتماعات، ٹی وی پر گفتگو، اخبارات میں بیانات، پمفلٹ اور کتابچوں کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال بھرپور طریقے سے کرنا ہوگا، کیونکہ آج کی اصل زبان سوشل میڈیا کی زبان ہے۔ موبائل فون، انٹرنیٹ، فیس بک وغیرہ کے ذریعے پیغامات اور دیگر ذرائع کا استعال ہی ان موضوعات پر پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دُور کرسکتا ہے۔

امریکا کی سامراجی پالیسیوں اور کارروائیوں کی بھرپور مخالفت کے ساتھ عالمی سطح پر مغربی ممالک کے ایسے معاملات میں تعاون کے امکانات کو ختم نہیں کیا جاسکتا، جن میں مسلمانوں کا مفاد شامل ہو، یا جو آج کے عالم گیریت کے ماحول میں ہر ملک کے لیے اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔ اس لیے خود ان ممالک کے بارے میں سوچی سمجھی راے تیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ جہاں ایک طرف اُمت مسلمہ کے مفاد کے خلاف اقدام کا مقابلہ کیا جائے وہیں انسانیت کے مشترکہ مفاد اور باہمی مفادات کے تحفظ کے لیے سب کے ساتھ معاملہ کیا جاسکے، اور عدل اور مشترکات کے حصول کے لیے ہر دروازہ کھلا رکھا جائے۔

مصر، تیونس، لیبیا، شام، یمن، کویت، بحرین، غرض مسلم ممالک میں حالیہ صورت حال پر بار بار مختلف زاویوں سے غور کرنے اور اس تناظر میں تحریکِ اسلامی کی اپنی حکمت عملی پر تنقیدی نگاہ سے غور کرنا ہی تحریک کے آگے بڑھنے اور ایک صحیح فیصلے تک پہنچنے میں مددگار ہوسکتا ہے۔ حالات جس رُخ پر جارہے ہیں ان میں تحریکِ اسلامی کی کامیابی اور مقبولیت میں اضافے کے گہرے نقوشِ نظر آرہے ہیں۔ عزم و استقامت اور حکمت عملی کے ساتھ ان حالات کے جائزے کے ساتھ اپنی حکمت عملی میں نئی صبح کے انتظار کے ساتھ ہمیں اپنے وسائل کی تنظیمِ نو کرنی ہوگی۔

رسائل ومسائل

جستجوے حق کا صحیح طریقہ

سوال: اگر ایک آدمی حق کی تلاش میں ہے اور وہ دل سے اس کی کوشش کرتا ہے لیکن اُسے کافی جدوجہد کے بعد بھی وہ نہیں ملتا تو کیا وہ بیچارہ حوصلہ ہار نہیں بیٹھے گا؟ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی انتہائی تاریکی میں اِس غرض سے سفر کرتا ہے کہ کہیں روشنی کا چراغ اسے ملے۔ لیکن سفر کرتے کرتے روشنی کا نشان تک اسے نہیں ملتا۔ آخر کو بیچارا تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ روشنی سرے سے ہے ہی نہیں، اگر کچھ ہے تو بس گھپ اندھیرا۔

ایک آدمی جو مصیبتوں، تکلیفوں اور ناکامیوں کے حصار میں گھرا ہوا ہے۔ جب کوشش کر کے ان مشکلات سے باہر نکل آتا ہے تو یہ تجربہ اُسے مطمئن کر دیتا ہے اور وہ ایسی ذات کا قائل ہو جاتا ہے جو مصیبت زدہ کی پکار کو سنتی ہے اور مدد کرتی ہے۔ مگر ایک دوسرا شخص ہے جو ایک حصار سے نکلتا ہے تو دوسرا حصار، اور دوسرے سے نکلتا ہے تو تیسرا حصار اسے گھیر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے پیہم حصار پر حصار اُسے گھیرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ مسلسل چکر اُسے قطعی مایوس کر دیتا ہے اور وہ کسی ایسی ذات سے، جو مصیبت میں کام آئے، مکمل طور پر نا اُمید ہو جاتا ہے، کیونکہ بیچارہ بار بار چلاّتا ہے کہ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ ط اور کبھی بیچارے کو اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ (البقرہ ۲:۲۱۴) کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ شخص اس لیے نا اُمید ہو گیا ہے کہ بیچارے کی بیش تر خواہشات میں سے ایک بھی پوری نہیں ہوئی اور بیس تکلیفوں میں سے ایک بھی رفع

نہیں ہوئی۔ اگر کوئی ایک خواہش بھی پوری ہوجاتی، یا ایک تکلیف بھی رفع ہوجاتی تو وہ اس بات سے کُلّی طور پر مایوس نہ ہوتا کہ اُوپر کوئی بالاتر ہستی دعائیں سننے اور حاجتیں پوری کرنے والی موجود ہے۔

جواب: آپ نے اپنے سوال کے آغاز میں جو بات لکھی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حق کی تلاش ایک بنیادی خوبی ہے جو حق پانے کے لیے شرطِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تلاشِ حق مخلصانہ ہو، بلاتعصب ہو، اور دانش مندی کے ساتھ ہو۔ یعنی آدمی اِس تلاش کے دوران میں حق اور باطل کے درمیان تمیز کرتا رہے اور جو چیز باطل نظر آئے اُسے چھوڑ کر حق کو قبول کرتا چلا جائے۔ اس صورت میں یہ اِمکان نہ ہونے کے برابر ہے کہ آدمی کو گھپ اندھیرے کے سوا کچھ نہ ملے۔

سوال کے دوسرے حصّے میں آپ نے جو مثال پیش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تلاشِ حق برائے تلاشِ حق نہیں بلکہ اس غرض سے کر رہے ہیں کہ آپ مصیبتوں اور تکلیفوں اور ناکامیوں کے حصار سے نکل جائیں، اور آپ کو مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ کے جواب میں اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ کی آواز نہ صرف یہ کہ سنائی دینے لگے بلکہ وہ جواب دینے والی ہستی آپ کے مصائب اور تکالیف اور ناکامیوں کا مداوا بھی کر دے۔

میرے نزدیک تلاشِ حق کے لیے یہ نقطۂ آغاز ہی سرے سے غلط ہے جس کی وجہ سے آپ کو مایوسی لاحق ہوئی ہے۔ حق کی تلاش کا صحیح راستہ جو آپ کو اختیار کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ:

سب سے پہلے مطالعہ اور غور و فکر سے آپ یہ تحقیق کریں کہ آیا کائنات کا یہ نظام بے خدا ہے؟ یا بہت سے بااختیار خداؤں کی تخلیق سے بنا ہے اور وہ سب اِس کا نظام چلا رہے ہیں؟ یا اس کا ایک ہی خالق و مالک اور حاکم و منتظم ہے؟

اِس کے بعد آپ اِس کائنات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ تحقیق کریں کہ آیا یہ دارالعذاب ہے؟ یا عیش کدہ ہے؟ یا دارالامتحان ہے جس میں لذت اور الم، تکلیف اور راحت، کامیابی اور ناکامی، ہر چیز آزمایش کے لیے ہے؟

پھر آپ اِس دنیا میں انسان کی حیثیت کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ آیا وہ یہاں بالکل آزاد

اور مختار مطلق ہے اور کوئی بالاتر طاقت اس کی قسمت پر اثرانداز ہونے والی نہیں ہے اور کسی بالاتر ہستی کے سامنے وہ جواب دہ نہیں ہے؟ یا زمین اور آسمان میں بہت سے خدا اس کی قسمت کے مالک ہیں؟ یا ایک ہی خدا اُس کا اور ساری دنیا کا خالق و حاکم ہے، اور وہ مختارِ مطلق ہے۔ ہماری لگائی ہوئی شرطوں کا پابند نہیں ہے، اور وہ ہمارے آگے جواب دہ نہیں بلکہ ہم اُس کے آگے جواب دہ ہیں، اور وہ یہاں اچھے اور بُرے سب طرح کے حالات میں رکھ کر ہمارا امتحان لے رہا ہے جس کا نتیجہ اِس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں نکلے گا؟

اِن تین سوالات میں سے اگر آپ کی تحقیق ہر ایک کا جواب پہلی یا دوسری شکل میں دے تو آپ کو مایوسی کی حالت سے نکل کر اُمید کا راستہ پانے کی کوئی صورت بتانا میرے بس میں نہیں ہے۔ البتہ اگر آپ کی تحقیق ہر سوال کا جواب تیسری شکل میں دے تو یہی جواب آپ کو اطمینانِ قلب کی منزل تک پہنچا سکتا ہے، بشرطیکہ آپ مزید غوروفکر کر کے اس کے منطقی مضمرات (logical implications) کو اچھی طرح سمجھتے چلے جائیں۔

جب خداے وحدہٗ لاشریک ساری کائنات کے انتظام کو چلا رہا ہے تو کائنات کی آبادی کے بے شمار افراد میں سے کسی فرد کا یہ چاہنا ہی سرے سے غلط ہے کہ خدا کی ساری خدائی صرف اُس کے مفاد میں کام کرے۔

اور جب یہ دنیا دارالامتحان ہے تو اس میں پیش آنے والی ہر خوشی اور رنج، ہر مصیبت اور راحت، ہر کامیابی اور ناکامی دراصل انسان کی آزمایش کے لیے ہے۔ یہ بات جس شخص کی بھی سمجھ میں آجائے گی، وہ نہ کسی اچھی حالت پر اِترائے گا اور نہ کسی بُری حالت پر دل شکستہ ہوگا، بلکہ ہر حالت میں اس کی کوشش یہ ہوگی کہ خدا کے امتحان میں کامیاب ہو۔ دُنیا کے موجودہ نظام کی اِس حقیقت کو جان لینے کے بعد آدمی یہاں ایسی غلط تمنائیں دل میں پالے گا ہی نہیں کہ اِس زندگی میں اُسے خالص عیش اور بے لاگ لذت اور بے آمیز راحت اور دائمی کامیابی نصیب ہو اور کبھی اسے مصیبت، تکلیف، رنج اور ناکامی سے سابقہ پیش ہی نہ آئے۔ کیونکہ یہ دنیا نہ عیش کدہ ہے اور نہ دارالعذاب کہ یہاں محض لذت یا محض الم، یا محض راحت یا محض تکلیف، یا محض کامیابی یا محض ناکامی کہیں پائی جاسکے۔

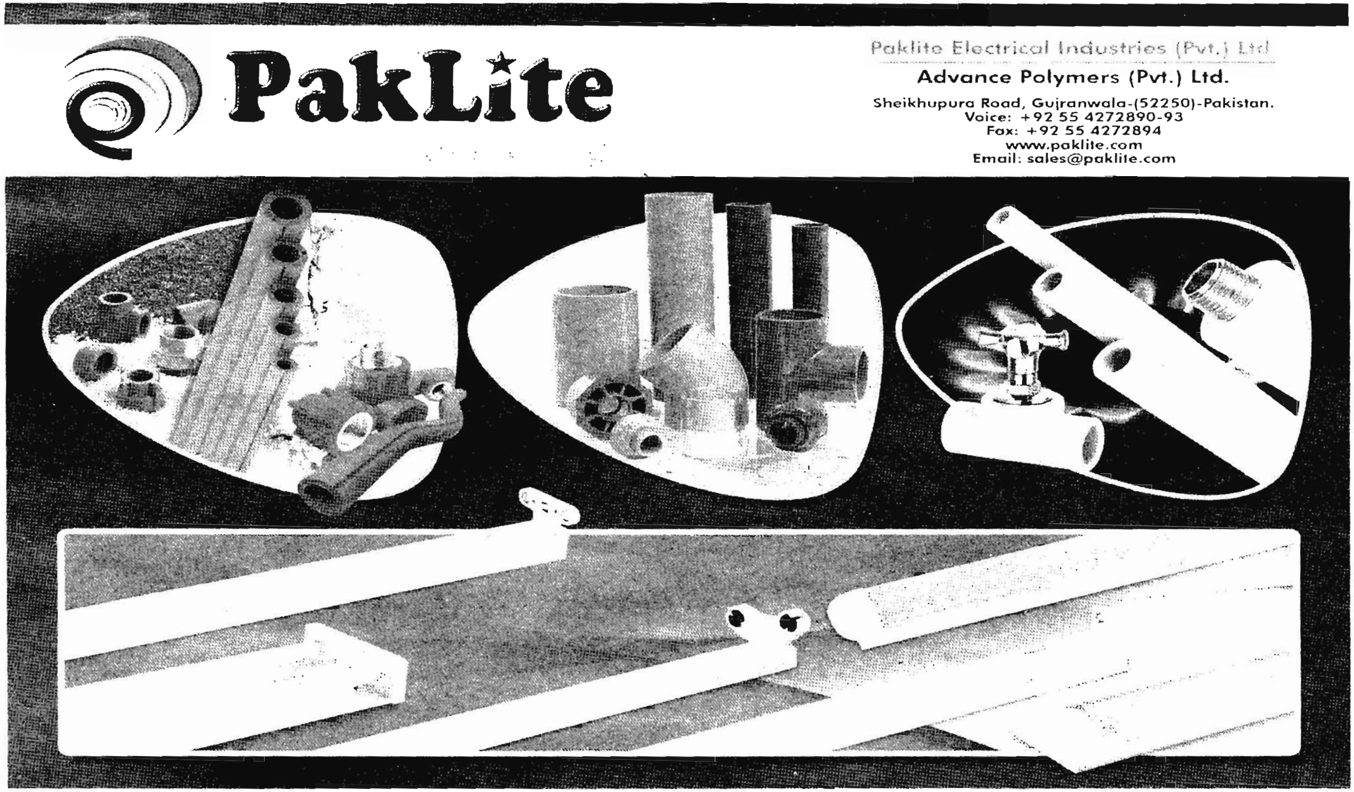
اِسی طرح جب تیسرے سوال کا جواب آپ تحقیق سے یہ پالیں کہ خداے واحد خالق و حاکم ہے اور ہم مخلوق و محکوم، اور یہ کہ وہ مختارِ مطلق ہے اور ہم اس کے بندے ہوتے ہوئے اُسے اپنی شرطوں کا پابند نہیں بنا سکتے، اور یہ کہ وہ ہمارے سامنے نہیں بلکہ ہم اس کے سامنے جواب دہ ہیں، تو آپ کا ذہن کبھی خدا سے ایسی غلط توقعات وابستہ نہ کرے گا کہ ہم خود جس حالت میں رہنا چاہیں، وہ ہمیں اُسی حالت میں رکھے اور ہم جو درخواست بھی اُس سے کریں وہ ضرور اُسی شکل میں اُسے پورا کرے جو ہم نے تجویز کی ہے، اور ہم پر کوئی تکلیف، یا مصیبت اگر آ ہی جائے تو ہمارے مطالبے پر وہ اُسے فوراً دفع کر دے۔

مختصر بات یہ ہے کہ صحیح معرفت کا ثمرہ اطمینان ہے، جو ہر اچھے یا بُرے حال میں یکساں قائم رہتا ہے، اور معرفت کے فقدان کا نتیجہ بہرحال بے چینی، اضطراب اور مایوسی ہے، خواہ عارضی طور پر انسان اپنی کامرانیوں سے غلط فہمی میں پڑ کر کتنا ہی مگن ہو جائے۔ آپ مایوسی سے نکلنا چاہتے ہوں تو پہلے حقیقت کا عرفان حاصل کرنے کی فکر کریں، ورنہ کوئی چیز بھی آپ کو گھپ اندھیرے سے نہ نکال سکے گی۔ (سید ابوالاعلیٰ مودودی، رسائل و مسائل، پنجم، ص ۱۷۳-۱۷۷)

فقر کا مفہوم

س: آپ کے نزدیک فقر سے کیا مراد ہے؟

ج: فقر کے لغوی معنی تو احتیاج کے ہیں لیکن اہلِ معرفت کے نزدیک اس سے مراد مفلسی اور فاقہ کشی نہیں ہے، بلکہ خدا کے سوا ہر ایک سے بے نیازی ہے۔ جو شخص اپنی حاجت مندی کو غیراللہ کے سامنے پیش کرے اور جسے غنا کی حرص دوسروں کے آگے سر جھکانے اور ہاتھ پھیلانے پر آمادہ کرے وہ لغوی حیثیت سے فقیر ہوسکتا ہے، مگر نگاہِ عارف میں دَرْیوزہ گر [بھکاری] ہے، فقیر نہیں ہے۔ حقیقی فقیر وہ ہے جس کا اعتماد ہر حالت میں اللہ پر ہو۔ جو مخلوق کے مقابلے میں خوددار اور خالق کے آگے بندۂ عاجز ہو۔ خالق جو کچھ بھی دے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، اس پر قانع و شاکر رہے اور مخلوق کی دولت و جاہ کو نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھے۔ وہ اللہ کا فقیر ہوتا ہے نہ کہ بندوں کا۔ (ایضاً، ص ۳۶۶)


PakLite
Paklite Electrical Industries (Pvt.) Ltd
Advance Polymers (Pvt.) Ltd.
Sheikhupura Road, Gujranwala-(52250)-Pakistan.
Voice: +92 55 4272890-93
Fax: +92 55 4272894
www.paklite.com
Email: sales@paklite.com


SUNDIP
SINCE 1979
Naturally Better®
Hot Chilli Sauce
Soy Sauce
+
Vinegar Free
Available at all leading stores
#1 PREMIUM QUALITY
#1 PREMIUM QUALITY
SUNDIP
SUNDIP
SUNDIP

کتاب نما

رحمۃ للعالمینؐ (جلداوّل)، مؤلف: قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، تدوین و تہذیب: مولانا عبدالوکیل علوی، مولانا گل زادہ شیر پاؤ۔ ناشر:ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ فون:۰۴۲-۳۵۴۳۲۴۷۶۔صفحات: ۵۶۰۔ قیمت (مجلد): ۶۵۰ روپے۔

برطانوی عہدِ غلامی میں بعض عیسائی مشنریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ہرزہ سرائی کی تو جان نثارانِ رسولؐ نے قرطاس وقلم کے ساتھ اس کا دفاع کیا، اس سلسلے میں قاضی محمد سلیمان سلمان منصوری پوری کی کتاب رحمۃ للعالمینؐ ایک معروف ومقبول کتاب ہے۔۱۹۱۲ء میں شائع ہونے والی اس کتاب میں سوانح اور واقعات کے ساتھ دوسرے مذاہب کے اعتراضات،صحفِ آسمانی کا موازنہ بالخصوص یہود ونصاریٰ کے دعاوی کا اِبطال،تورات وانجیل اورعیسائی مذہب کے نہایت اہم گوشے خصوصاً مناظرانہ پہلو پیش کیے گئے ہیں۔عیسائی مستشرقین کے اعتراضات کا مسکت جواب بھی دیا گیا ہے۔سیرتِ نبویؐ کے واقعات کے ماہ وسال کا تعیّن کرنے کے ساتھ جامع معلومات کے ساتھ ساتھ غزوات وسرایا اورشہدا کا تفصیلی تذکرہ بھی موجود ہے۔

رحمۃ للعالمینؐ کوکئی اداروں نے شائع کیا ہے مگر ایک مدت گزرنے کے بعد ضرورت محسوس ہورہی تھی کہ اس عظیم علمی ورثے کو جدید تقاضوں کے پیشِ نظر ،نظرثانی کے بعد شائع کیا جائے تاکہ موجودہ دور میں بھی اس سے بآسانی استفادہ کیا جاسکے۔ادارہ معارف اسلامی لاہور نے اس علمی ضرورت کومحسوس کرتے ہوئے کتاب کودوجِلدوں میں مرتب ومدّون کیا ہے۔تدوین کا کام ادارے کے علمی معاون جناب گل زادہ شیر پاؤ نے انجام دیا ہے۔اس کی پہلی جِلد زیورِطباعت سے آراستہ ہوکرسامنے آئی ہے۔اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ تدوینِ نوکرتے ہوئے کتاب کے متن میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔عبارت میں جہاں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی گئی اسے قلابین میں درج

کردیا گیا ہے۔ کتاب کے ابواب وفصول کی تقسیم نئے سرے سے کی گئی ہے اور حوالہ جات وحواشی کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ احادیث کی تخریج اور تکمیل و تصحیح کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ایک اہم پہلو یہ ہے کہ کتاب میں متن اور حوالہ جات کی بعض اغلاط کی تصحیح بھی کردی گئی ہے۔ اس طرح سے ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کیا گیا ہے۔ (عمران ظہور غازی)

صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنۂ انکارِ حدیث (حصہ اول)، تالیف: حافظ ابویحییٰ انور پوری۔ ملنے کا پتا: کتاب سرائے، فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۰۴۲-۳۷۳۲۰۳۱۸۔ ۰۳۰۰-۹۴۰۱۴۷۴۔ صفحات: ۵۲۸۔ قیمت: درج نہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴ھ-۲۵۶ھ) کی الجامع الصحیح کو احادیث کی کتب میں صحتِ روایت کے اعتبار سے بلند مقام حاصل ہے۔ امام بخاری نے اس کتاب میں احادیث کو ایک منفرد انداز میں روایت کیا ہے۔ روایت میں پیش نظر رکھی گئی امام کی شرائط سے مکمل آگاہی صحیح بخاری کی استنادی حیثیت کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ان شرائط سے عدم واقفیت کی بنا پر بعض لوگوں کو بخاری کی بعض روایات پر کئی اشکال پیدا ہوئے۔ چند سال قبل بھارت میں لکھی گئی شبیر احمد ازہر میرٹھی کی صحیح بخاری کا مطالعہ: بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق وتنقید بھی اسی قبیل سے تعلّق رکھتی ہے۔ یہ کتاب لاہور سے ۲۰۰۵ء میں دو جلدوں پر مشتمل یک جا شائع ہوئی۔ اس میں راویوں کے حوالے سے متعدد فنی، عقلی اور تاریخی اعتراضات اُٹھائے گئے ہیں۔ اس کتاب کے پہلے حصّے کا جواب زیرتبصرہ کتاب میں دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۸؍احادیث پر اعتراضات کے محاکمے پر مبنی ہے۔ ہر حدیث پر بحث کو الگ الگ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر یہ ابواب مزید تین تین فصلوں (حصوں) میں منقسم ہیں۔ پہلی فصل میں فنی اعتراضات، دوسری میں عقلی اعتراضات اور تیسری فصل میں تاریخی اعتراضات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

شبیر احمد ازہر میرٹھی نے بخاری کی بعض روایات، مثلاً تحریکِ شفتین، تحویلِ قبلہ، تکمیلِ دین کے محلِ نزول اور روزِ نزول، سیدنا علیؓ کی فضیلت، مالِ تجارت کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کے خطبۂ جمعہ

چھوڑ کر جانے کا واقعہ، تقسیمِ خمس اور سیدہ عائشہؓ پر بہتان وغیرہ کے حوالے سے اعتراضات اُٹھائے ہیں۔ انھوں نے بعض روایات کو سند کے اعتبار سے ناقابلِ قبول قرار دیا ہے اور بعض کو عقلی لحاظ سے، اور بعض کو تاریخی طور پر کمزور بتایا ہے، بلکہ بعض جگہوں پر باطل قرار دیا ہے۔

حافظ ابویحییٰ نورپوری کی کتاب کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ شبیر احمد میرٹھی نے اپنے اعتراضات کی جو عمارت تعمیر کی ہے، وہ بہت کمزور ہے اور غیرمحتاط اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ زیرنظر کتاب اگرچہ رجالِ حدیث کی پیچیدہ علمی بحثوں پر مشتمل ہے، تاہم بخاری پر اُٹھائے گئے اعتراضات کا مدلّل جواب ہے۔ یقیناً مصنف اس کارنامے پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ (ارشاد الرحمٰن)

سودی مصائب اور ان کا حل، طارق الدیوانی، مترجم: ڈاکٹر منیر احمد۔ ملنے کا پتا: ۱-بی ۶، ایجوکیشن ٹاؤن، وحدت روڈ، لاہور۔ فون: ۰۴۲-۳۵۴۱۷۲۷۸۔ صفحات: ۲۲۴۔ قیمت: ۲۹۵ روپے۔

معیشت و تجارت اور انسان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جوں جوں انسان ارتقا کی منزلیں طے کرتا گیا، ویسے ویسے معیشت و تجارت فروغ پاتی گئی۔ انسان اپنے منافع اور دولت میں اضافے کے لیے نت نئے طریقے ایجاد کرتا گیا جن میں بہت سے طریقے انسان کے استحصال پر مبنی تھے۔ اسلامی نظامِ حیات نے جہاں انسان کی معاشرتی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا، وہاں انسان کی معاشرتی ضروریات کا بھی خیال رکھا اور انسان کی پیدا کی ہوئی خرابیوں کو دُور کیا۔ ان میں سے ایک بڑی خرابی سود ہے۔ مادیت پر مبنی مغربی سوچ اور فکر نے پرانی قارونی فکر کی بنیاد پر معیشت و تجارت کو سود پر استوار کر کے بنی نوع انسان کے لیے بدترین استحصال کا راستہ وَا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج 'وال سٹریٹ پر قبضہ کرو' تحریک کی صورت میں اس نظام کے ڈسے ہوئے لوگ سراپا احتجاج ہیں۔

اسی سرمایہ دارانہ نظام کے اہم ترین ملکوں میں سے ایک برطانیہ ہے، اور مصنف اسی ملک کے باسی ہیں۔ انھوں نے اس نظام کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد سود کی تباہ کاریوں کا ایک نئے انداز میں جائزہ لیا۔ مصنف نے انٹراپی کے خالص سائنسی تصور کی وضاحت کرتے ہوئے، اس کی روشنی میں سود کے مضر اثرات اور قدرتی وسائل پر منفی اثرات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ انٹراپی کا طریقہ کسی نظام میں بدنظمی کی مقدار بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سود انسانی

وسائل کے ضیاع اور عالمی ماحول اور خصوصاً عالمی فضائی حرارتی درجے پر منفی اثرات کا حامل ہے۔ ایک باب میں زر کی دھاتی اور کاغذی اقسام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اور تخلیق زر کے طریق کار اور نتائج کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ دورِ جدید میں کرنسی کا جدید نظام، اس کو کنٹرول کرنے کے طریقوں کے جائزے کے نتیجے میں ایک بہترین نظام زر کے بارے میں تجویز کیا گیا ہے کہ اسے دھاتوں پر مبنی ہونا چاہیے۔ چوتھے باب میں وضاحت کی گئی ہے کہ پیداواری عمل انسانی ضرورت اور انسانی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ اس کے مقابلے میں جوا اور سٹہ وغیرہ پیداواری عمل میں اضافے کا سبب نہیں بلکہ ارتکازِ دولت کا باعث ہیں۔

مصنف نے واضح کیا ہے کہ معاشی کارروائی کی بنیاد مکمل طور مادیت پر مبنی نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس کی بنیاد اسلامی بنیادوں پر رکھی جانی چاہیے۔ تجارت اور سرمایہ کاری کے اسلامی طریقوں کو بھی متعارف کروایا گیا ہے۔ اسلامی تناظر میں معاہدات (عقود) کی خصوصیات اور شرائط کی وضاحت کی گئی ہے۔ اسلامی بنکاری کے موجودہ نظام کا جائزہ لے کر اسلامی بنکاری کا ماڈل بھی پیش کیا گیا ہے جو نفع ونقصان کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ اس کی موجودگی میں سرکاری زرعی پالیسی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ معاشیات کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے یہ کتاب بہت مفید ہے۔ (میاں محمد اکرم)

ملت اسلامیہ کا فکری جمود ـــــ مسلمان کیسے عظمت حاصل کرسکتے ہیں؟، تالیف: فضل کریم بھٹی۔ ناشر: الفلاح تعلیم سوسائٹی، چک لالہ سکیم ۳، راولپنڈی۔ صفحات: ۲۸۴۔ قیمت: ۲۸۰ روپے۔

مصنف مسلمانوں کی اخلاقی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دینی پستی سے دل گرفتہ ہیں اور انھوں نے زیرنظر کتاب میں اس کے اسباب کی نشان دہی کی ہے اور مسلمانوں کے سامنے نشاتِ ثانیہ کے لیے تجاویز پیش کی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ مفاد پرست طبقے اور کرپٹ جاگیرداروں، سیاست دانوں، خاکی اور سویلین بیوروکریسی، اجارہ دار صنعت کاروں اور تاجروں سے اپنی جان چھڑالیں۔ باشعور اور دیانت دار قیادت کو سامنے لایا جائے اور قومی ترجیحات کا تعیّن کر کے ایک ملک گیر تحریک اصلاح کا آغاز کیا جائے۔ اپنی نظر کو وسعت دیں اور جامد تقلید سے اپنے آپ کو آزاد کریں، نیز فرقہ واریت، فروعی مسائل، مثلاً تصویر، چہرے کا پردہ وغیرہ میں اُلجھنے کے بجائے دین کی اصولی تعلیمات کو

فروغ دیں۔ نظامِ تعلیم میں دین و دنیا کی تفریق ختم کی جائے۔ دینی علوم مدارس کے بجائے یونی ورسٹیوں میں پڑھائے جائیں اور جدید علوم اور ٹکنالوجی سے استفادہ کیا جائے۔ بے روزگاری کے خاتمے کے لیے ٹیکنیکل ایجوکیشن عام کی جائے۔ زکوٰۃ وعشر کا نظام جدید خطوط پر استوار کیا جائے۔ مصنف کے نزدیک اگر قومی شعور کی آبیاری اور خواندگی کو عام کرنا پہلی ترجیح ہو اور نظامِ تعلیم درست کرلیا جائے تو صرف ۳۰ برس میں (یعنی ایک نسل بعد) پاکستان ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے۔

یہ خواہش بڑی نیک اور اچھی ہے مگر اس کے لیے دینی حکمت عملی کے ساتھ پِتّا مار کر عملی جدوجہد ضروری ہے۔ پاکستانی معاشرے میں ایسے اچھے خیالات اور فکر رکھنے والے حضرات ملک میں جاری ایسی کسی جدوجہد میں شامل ہوکر اس کو دامے درمے سخنے تقویت پہنچائیں، اور اگر وہ پاکستان میں کی جانے والی کسی بھی اجتماعی جدوجہد سے مطمئن نہ ہوں تو خود انفرادی اور اجتماعی جدوجہد کی طرح ڈالیں اور اہلِ ملک کو دعوت دیں۔ صرف اچھی خواہشات اور منصوبہ بندی کا اظہار زیادہ نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا ہے۔ کتاب میں صفحات پر نمبر کے لیے انگریزی ہندسوں کو اختیار کیا گیا ہے، جب کہ ہم اُردو کو قومی زبان قرار دیتے ہیں۔ (شہزادالحسن چشتی)

تفہیم دعوت و دین، محمد سفیرالاسلام۔ ناشر: ادارہ مطبوعاتِ سالار، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: ۰۵۱-۵۵۵۱۷۴۲۔ صفحات: ۲۰۸۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

زیرتبصرہ کتاب دعوتِ دین کا حکیمانہ طریقے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عمدہ تفسیر ہے۔ کتاب مقالہ نگاری کے طرز پر تحریر کی گئی ہے۔ ادع کے حکم اور لتكن منكم امة يدعون کے تحت دعوت، اس کی اہمیّت اور ضرورت پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ دعوت فی سبیل اللّٰہ اور بالحكمة والموعظة الحسنة کے تحت دعوت کے اسلوب، طریق اور دعوت کے مواقع پر عمدگی سے داعی حضرات کی ضرورت کا سامان کیا ہے۔ البتہ درس، لیکچر، خطبہ پر لکھتے ہوئے مصنف نے تکرار سے کام لیا ہے، اور مناقشہ کو بھی واضح نہیں کیا۔ اندیشہ ہے اس طرح مباہلہ کے ساتھ ذکر کرنے سے مناظرے کی راہ نہ کھل جائے۔ آخری حصّے میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے حکم کو پورا کرنے کے لیے تنظیم کی اہمیّت وافادیت اور داعی کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اور احتیاطاً

اوصافِ رذیلہ کا تذکرہ کیا ہے تا کہ داعی مثبت اوصاف کو اپنائے اور منفی اوصاف سے نجات حاصل کر کے دعوت کے میدان میں سرخرو ہو سکے۔ (قلبِ بشیر خاور بٹ)

خاموشی پیچھے شور، اختر عباس۔ ناشر: منشورات، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ فون: ۰۴۲-۳۵۴۳۴۹۰۹
صفحات: ۱۶۰۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔

بچوں کے ذوقِ مطالعہ اور ان کے ادب پر ابتدائی دور میں زیادہ کام نہیں ہوا۔ البتہ گذشتہ ربع صدی میں بچوں کے ادب پر نسبتاً توجہ دی گئی جس کے نتیجے میں کہانیوں کی سیکڑوں کتب اور بیسیوں رسالے منظرعام پر آئے ہیں۔ خصوصاً بچے کی زندگی میں کہانی کی اہمیّت کا احساس اُجاگر ہوا ہے اور بچوں کے رسائل میں تنوع اور معیار میں بہتری آئی ہے۔ کہانیوں پر مشتمل زیرِنظر کتاب بچوں کے ادب میں خوب صورت اضافہ ہے۔ بنیادی طور پر ان کہانیوں کی مخاطب نئی نسل ہے۔

بچوں کے لیے ادب کی تخلیق اس سے کہیں مشکل ہے جو بڑوں کے لیے لکھا جاتا ہے۔ بچوں کے دلوں کو مسحور کرنا اور ان کے لیے فن سے مسرت کشید کرنا ریاضت طلب ہوتا ہے۔ اختر عباس گوناگوں صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ان کہانیوں میں انھوں نے بڑی ریاضت سے کام لیا ہے۔ وہ بچوں کی نفسیات کا اِدراک رکھتے ہیں۔ اس لیے بچوں کی فکروشعور کی قوتوں کو بیدار کرنے کی کوشش کامیاب ہوتی ہے۔ ان کہانیوں میں دیمک، اندر کی چٹخنی، چیک بُک اور دربان جیسی کہانیاں ذہنی بالیدگی کا سبب بھی ہیں اور نئی نسل کے احساسات کی تسکین کا ذریعہ بھی۔ ان سے جہاں دل چسپ پیرایے میں معاشرتی اقدار اور انسانی رویوں سے آگاہی ہوتی ہے وہاں ایسے کرداروں کا تعارف بھی ہوتا ہے جو اعلیٰ قدروں کے علَم بردار بھی ہیں اور زندگی کی تلخ حقیقتوں کے حامل بھی۔ ان کہانیوں کا اسلوب نوجوانوں کے علاوہ بڑوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور فکری رہنمائی اور تعمیرِ سیرت و کردار کا ذریعہ بنتا ہے۔ (عبداللّٰہ شاہ ہاشمی)

ہلاکت خیز غلطیاں اور ان کی اصلاح، تالیف: جمیل احمد زینو، ترجمہ: محمد حسن ظاہری۔
ملنے کا پتا: کتاب سرائے، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۱۴۴۔ قیمت: ۹۰ روپے۔

فاضل مصنف نے بڑی دردمندی سے عام طور پر پھیلی ایسی کوتاہیوں کی ایک فہرست مرتب

کی ہے جن سے غفلت برتی جاتی اور ان کی درجہ بندی کی ہے۔ چند اہم موضوعات یوں ہیں: کفریہ غلطیاں، وہ غلطیاں جو شرکِ اکبر ہیں، اللہ تعالیٰ کے حق میں غلطیاں، عبادات میں، حلال وحرام میں، مسلمانوں کے عمومی احوال میں غلطیاں، غیرمسلموں کے ساتھ معاملات میں غلطیاں وغیرہ۔ ان معاملات کے غلط ہونے کی دلیل قرآن وسنت سے پیش کی گئی ہے اور اس کے مقابلے میں درست موقف کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ مصنف چونکہ عالمِ عرب سے تعلّق رکھتے ہیں، انھوں نے بعض ایسے معاملات کا ذکر بھی کیا ہے جو ان کے معاشرے کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً عربی عصبیت وغیرہ۔ بعض معاملات میں مصنف کے نقطۂ نظر میں شدت دکھائی دیتی ہے، مثلاً یہ عورت کے نام کے ساتھ 'بنتِ فلاں' کے بجاے شوہر کا نام لکھنے کو 'غلطیوں' میں شمار کرتے ہیں۔ (آسیہ منصوری)

تعارف کتب

⊙ **توبہ، کامیابی وکامرانی کا راستہ**، مولانا فاروق احمد۔ ناشر: مجلس التحقیق والنشر الاسلامی لاہور۔ ملنے کا پتا: مکتبہ معارف اسلامی، ملتان روڈ، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۸۸۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔ [توبہ کے مختلف پہلوؤں کو قرآن وحدیث سے سہل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ توبہ کے معنی اور قبولیت وعدم قبولیت، قبولیت توبہ کی شرائط، مغفرت کے لیے ترغیب، ذوقِ عبادت، خشوع وخضوع، جنت اور جہنّم کے موازنے کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیا کی دعائیں شامل ہیں۔ قربِ الٰہی اور تزکیۂ تربیت کے لیے مفید کتاب۔]

⊙ **تاریخ کے بکھرے موتی**، مؤلف: مولانا محمد اصغر کرنالوی۔ ناشر: زم زم پبلشرز، شاہ زیب سینٹر، نزد مقدس مسجد، اُردو بازار، کراچی۔ فون: ۰۲۱-۳۲۷۲۵۶۷۳۔ صفحات: ۵۲۴۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔ [تاریخ ایک آئینہ ہے جس میں قوموں کے عروج وزوال کا عکس دیکھا جاسکتا ہے، ماضی سے سبق سیکھتے ہوئے روشن مستقبل کی راہ ہموار کی جاسکتی ہے۔ زیرنظر کتاب مختلف تاریخی کتب سے سبق آموز واقعات، نصیحتوں اور اقوال وغیرہ کا انتخاب ہے جس کا مقصد تاریخ کے مطالعے کے لیے ترغیب اور کردار سازی ورہنمائی ہے۔]

⊙ **آوازِ دوست**، پروفیسر عبدالحمید ڈار۔ ناشر: نشریات، الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۰۳۲۱-۴۵۸۹۴۱۹۔ صفحات: ۹۵۔ قیمت: ۷۰ روپے۔ [پروفیسر عبدالحمید ڈار دینی اور تحریکی حلقوں میں ایک معروف شخصیت ہیں۔ زیرنظر کتابچہ ان کی یادداشتوں اور تاثرات پر مشتمل ہے۔ یہ تاثرات واحساسات تحریکی روایات واقدار سے متعلّق ہیں اور غوروفکر اور تدبر کا سامان بھی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ایسے نکات سامنے آتے ہیں جو بچوں اور بڑوں کے لیے تربیت کا ایک منفرد انداز لیے ہوئے ہیں۔]

مدیر کے نام

میاں محمد صدیق ، اوکاڑہ

مسعود جاوید کے مضمون ''پہلا وہ گھر خدا کا'' (جون ۲۰۱۱ء) میں خانہ کعبہ کی لمبائی ۱۸فٹ، چوڑائی ۱۴فٹ اور اُونچائی ۳۵فٹ بتائی گئی ہے (ص ۵۸) لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں۔ کعبۃ اللہ کی حاضری کا شرف حاصل کرنے والا اس کی پیمایش کا سوچ بھی نہیں سکتا لیکن بظاہر اللہ کے گھر کی لمبائی چوڑائی اس سے بہت زیادہ ہے۔ مکتبہ دارالسلام، ڈاکٹر شوقی ابوخلیل کی تالیف اطلس القرآن میں لکھا ہے: ''بیت اللہ کو کعبہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی شکل مکعب ہے۔ بظاہر اس کی لمبائی، چوڑائی اور اُونچائی برابر ہیں لیکن غور سے دیکھیں تو ایسا نہیں۔ بیت اللہ زمین سے ۱۵ میٹر (۴۹ فٹ ۱۳ انچ) بلند ہے۔ حطیم کی جانب اور اس کے مقابل کی دیواریں ۳۵،۳۵ فٹ لمبی ہیں، جب کہ دروازے والی اور اس کے مقابل کی غربی دیوار ۴۰،۴۰ فٹ کی ہیں۔ دروازہ فرش مطاف سے چھے فٹ بلند ہے۔ خود دروازے کی بلندی ساڑھے چھے فٹ ہے اور اس کے بائیں ہاتھ زمین سے تقریباً پانچ فٹ بلندی پر حجراسود ہے''۔ (ص ۹۹)

نذیر احمد بھٹی ، بہاولپور

'حکومت، ریاست کے لیے خطرہ' (اکتوبر ۲۰۱۱ء) میں پروفیسر خورشید احمد صاحب نے دردمندی کے ساتھ پاکستان کی موجودہ حالت اور سیاست کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ توجہ کے لائق ہے۔ بجا طور پر فرمایا ہے کہ ''موجودہ حکمرانوں سے نجات، اسلامی فلاحی جمہوری پاکستان کی تعمیر اور ایک دیانت دار، باصلاحیت، خداترس اور خادمِ خلق قیادت کو منصبِ اختیار کی تفویض، موجودہ مسائل کا حل ہے''۔

'اسرارِ حج' ڈاکٹر میر ولی الدین کی تحریر فی الواقع مفید اور ایمان افروز ہے۔ کاش! ہر مسافرِ حرم کی نظر سے گزر جائے اور ان کا سفر باعثِ سعادت وفلاح بن جائے۔

محمد اشرف ، سیالکوٹ

'اسرارِ حج' (اکتوبر ۲۰۱۱ء) میں عشق، عاشق، صوفی وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، بکثرت اشعار آئے ہیں اور جذباتی رنگ غالب ہے۔ یہ تصوف کی اصطلاحات ہیں۔ عشق تو حد سے گزر جانے کا

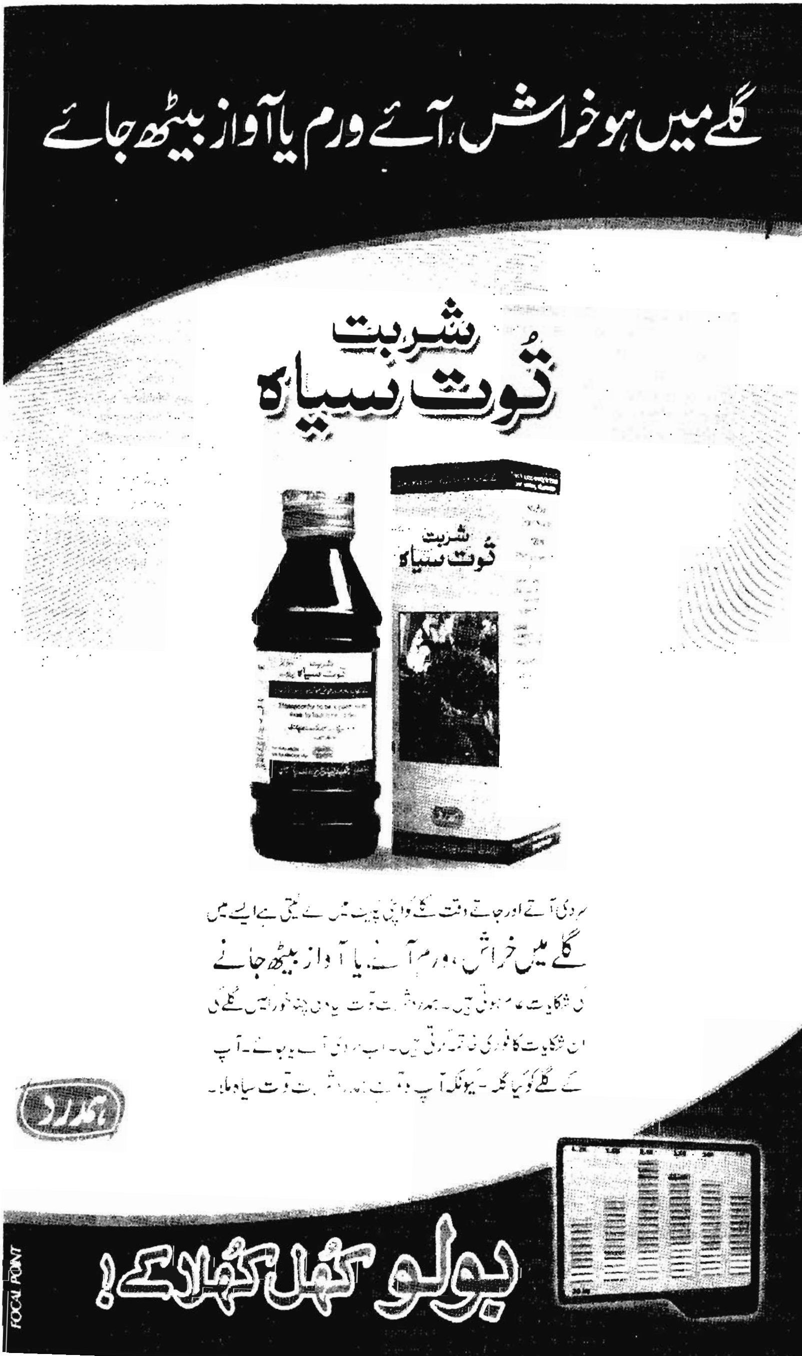
نام ہے اور اس کیفیت میں حدِ اعتدال سے گزرنے کا احتمال ہوتا ہے۔ شاعری کو بھی پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا۔ یہ حج کے روایتی تصور سے مختلف تحریر ہے۔

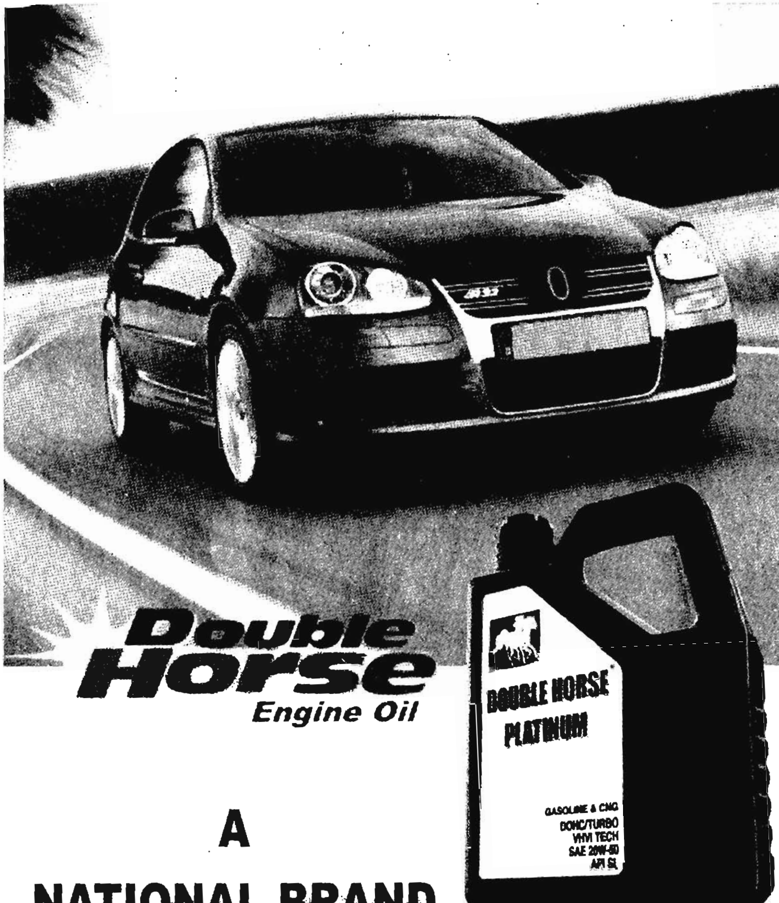
احمد علی محمودی ، حاصل پور

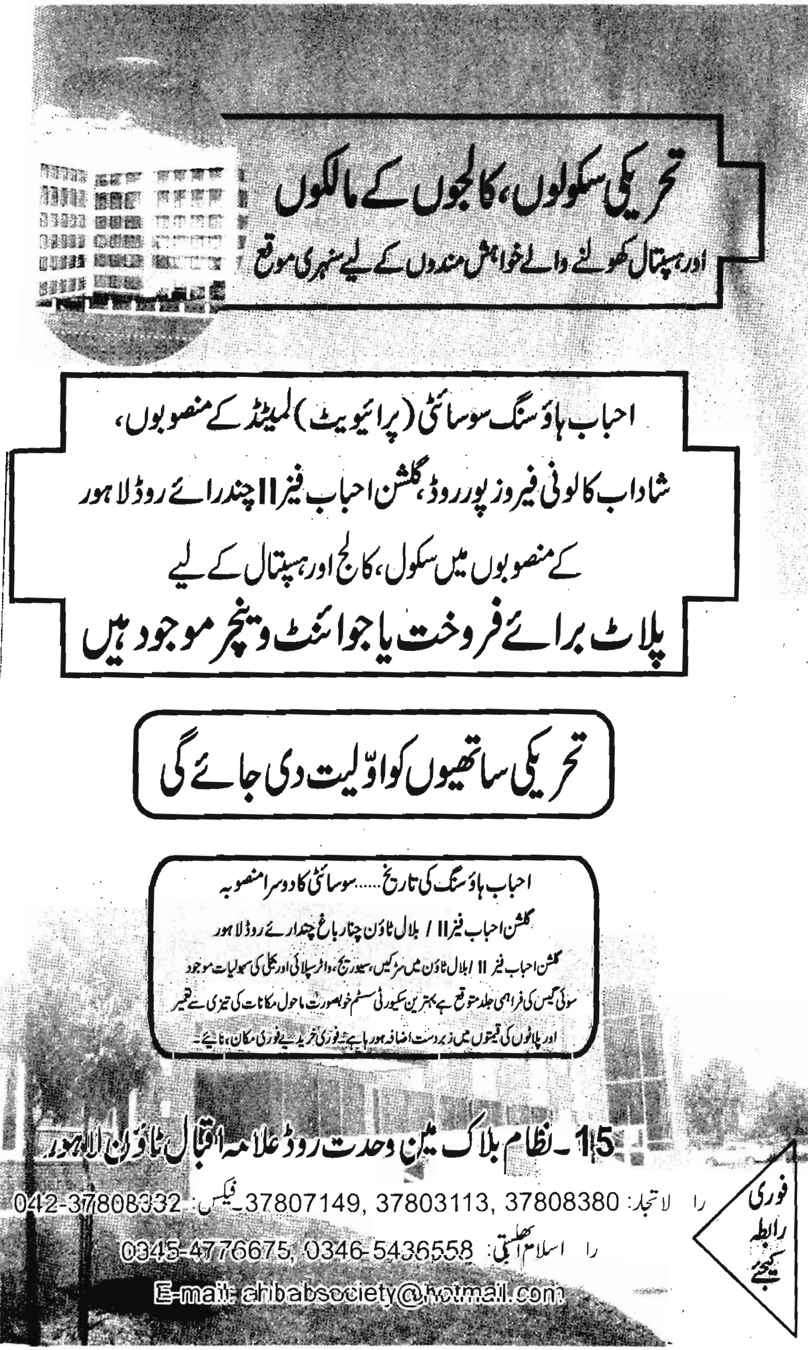
'خوشی کے آنسو' (نومبر ۲۰۱۱ء) بڑی حوصلہ افزا تحریر ہے۔ دنیا کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ خودساختہ نظام ملیامیٹ ہو رہے ہیں، وہ تحریکات جن کو دبانے کی بھرپور سعی کی گئی تھی، اُبھر کر سامنے آ گئی ہیں۔ تازہ ہوا کے یہ جھونکے پاکستان کی تحریک اسلامی کے لیے اُمید کا ایک نیا پیغام ہیں۔

ارشد جاوید ، لاہور

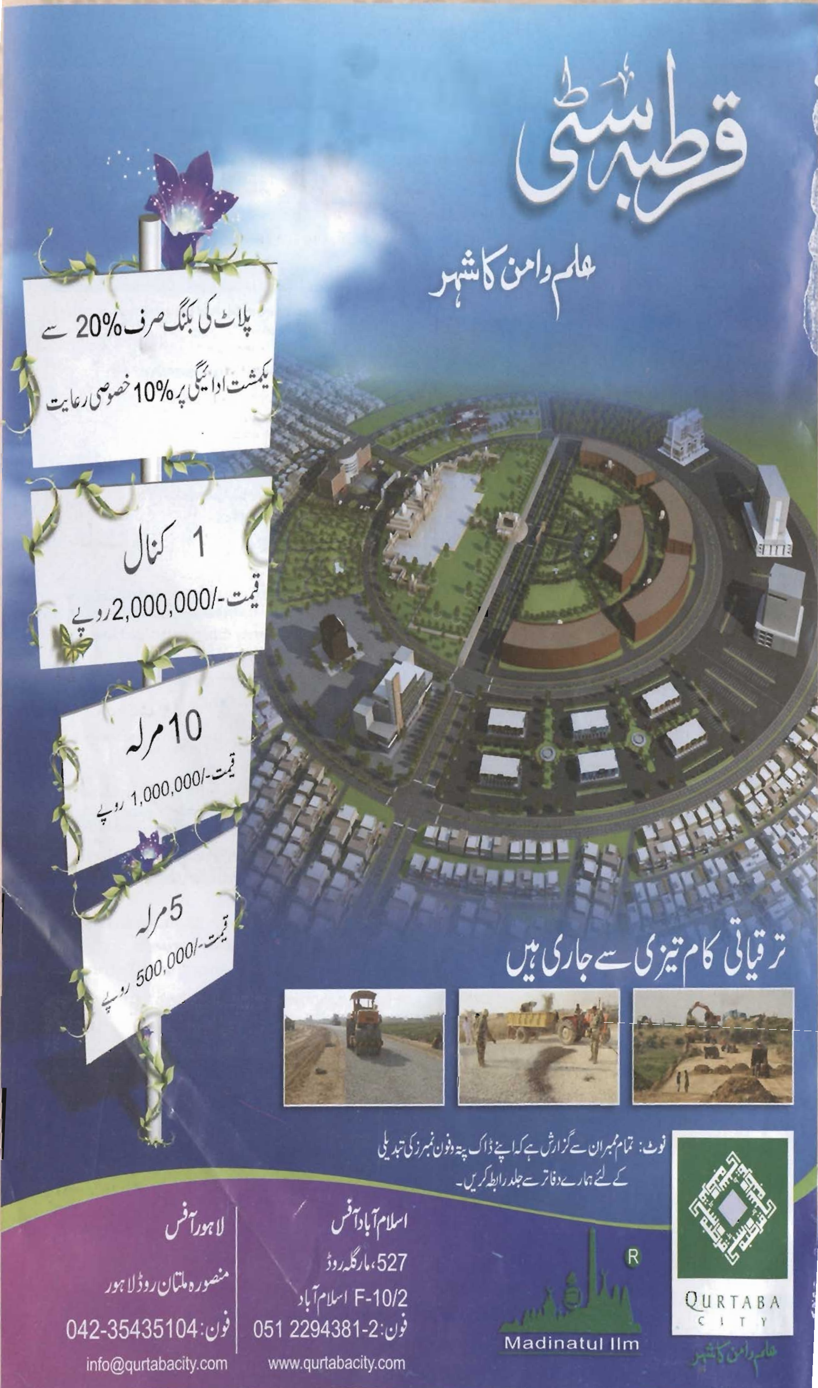
'زبان کا مسئلہ اور ہمارے فیصلے کرنے والے' (اکتوبر ۲۰۱۱ء) اہم موضوع پر ہے۔ فی الواقع اس موضوع پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کبھی کسی قوم نے اپنی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں تعلیم پا کر ترقی نہیں کی۔


گلے میں ہو خراش، آئے ورم یا آواز بیٹھ جائے
شربت
ٹوت سیاہ
گلے میں خراش، ورم آنے یا آواز بیٹھ جانے
ہمدرد
بولو کھل کھلا کے!
FOCAL POINT


Double Horse
Engine Oil
DOUBLE HORSE
PLATINUM
GASOLINE & CNG
DOHC/TURBO
SAE 20W-50
API SL


تحریکی سکولوں، کالجوں کے مالکوں
اور ہسپتال کھولنے والے خواہش مندوں کے لیے سنہری موقع
احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ کے منصوبوں،
شاداب کالونی فیروزپور روڈ، گلشن احباب فیز II چندرائے روڈ لاہور
کے منصوبوں میں سکول، کالج اور ہسپتال کے لیے
پلاٹ برائے فروخت یا جوائنٹ وینچر موجود ہیں
تحریکی ساتھیوں کو اوّلیت دی جائے گی
احباب ہاؤسنگ کی تاریخ......سوسائٹی کا دوسرا منصوبہ
گلشن احباب فیز II / بلال ٹاؤن چنار باغ چندرائے روڈ لاہور
گلشن احباب فیز II / بلال ٹاؤن میں سڑکیں، سیوریج، واٹر سپلائی اور بجلی کی سہولیات موجود
سوئی گیس کی فراہمی جلد متوقع ہے بہترین سکیورٹی سسٹم خوبصورت ماحول مکانات کی تیزی سے تعمیر
اور پلاٹوں کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے۔ فوری خریدیے فوری مکان بنائیے۔
15۔ نظام بلاک مین وحدت روڈ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فوری رابطہ کیجیے
رابطہ لاہور: 37807149, 37803113, 37808380 فیکس: 042-37808332
رابطہ اسلام آباد: 0345-4776675, 0346-5436558
E-mail: ahbabsociety@hotmail.com

مرزا محمد الیاس نے ارقم آفاق پرنٹر، بلال گنج سے چھپوا کر اچھرہ، لاہور سے شائع کیا


قرطبہ سٹی
علم وامن کا شہر
پلاٹ کی بکنگ صرف 20% سے
یکمشت ادائیگی پر 10% خصوصی رعایت
1 کنال
قیمت -/2,000,000 روپے
10 مرلہ
قیمت -/1,000,000 روپے
5 مرلہ
قیمت -/500,000 روپے
ترقیاتی کام تیزی سے جاری ہیں
نوٹ: تمام ممبران سے گزارش ہے کہ اپنے ڈاک پتہ وفون نمبرز کی تبدیلی کے لئے ہمارے دفاتر سے جلد رابطہ کریں۔
اسلام آباد آفس
527، مارگلہ روڈ
F-10/2 اسلام آباد
فون: 051 2294381-2
www.qurtabacity.com
لاہور آفس
منصورہ ملتان روڈ لاہور
فون: 042-35435104
info@qurtabacity.com
Madinatul Ilm
R
QURTABA
CITY
علم وامن کا شہر